رؤیتِ ہلال

تالیف

فضیلۃ الشیخ مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ

تقدیم

فضیلۃ الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ناشر

توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

رؤیتِ ہلال

تالیف

فضیلۃ الشیخ مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ

جمعیۃ الغاط الخیریۃ (الغاط؛ سعودی عرب)

تقدیم

فضیلۃ الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ناشر

توحید پبلیکیشنز

بنگلور (انڈیا)

کتاب ---------------------------- رؤیتِ ہلال

تالیف ---------------------------- فضیلۃ الشیخ مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ

تقدیم ---------------------------- فضیلۃ الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

طبع اوّل ---------------------------- 1435ھ......2013ء

تعداد ---------------------------- 4000

ناشر ---------------------------- توحید پبلی کیشنز، بنگلور انڈیا

ہندوستان میں ملنے کے پتے

1-Tawheed Publications Contact:Mr.M.R.Khan,S.R.K.Garden, Phone#9900446193 BANGALORE-560 041	1- توحید پبلیکیشنز رابطہ: محمد رحمت اللہ خان، ایس. آر. کے. گارڈن، فون: ۹۹۰۰۴۴۶۱۹۳، بنگلور۔ ۰۴۱ ۵۶۰
2-Charminar Book Center Charminar Road,Shivaji Nagar, BANGALORE-560 051	2- چارمینار بک سنٹر، چارمینار روڈ، شیواجی نگر، بنگلور۔ ۰۵۱ ۵۶۰
3-Dar us Salaam Hanif Ahmed Wani SRINAGAR(Jammu Kashmir) Phone#9419748245	3-دارالسلام کشمیر حنیف احمد وانی، فون: ۹۴۱۹۷۴۸۲۴۵ سری نگر۔ (جموکشمیر)
4-Maktaba As-Sunnah Mohammed Najeeb Bakhali Bhendi Bazar,Phone#8097444448 MUMBAI(Maharastra)	4- مکتبہ السنۃ محمد نجیب بقالی، فون: ۸۰۹۷۴۴۴۴۴۸ بھینڈی بازار، ممبئی

email **tawheed_pbs@hotmail.com**

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رؤیتِ ہلال اور اختلافِ مطالع

تقدیم:......ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ہر سال ہلالِ عید اور ہلالِ رمضان کے موقع پر اختلافِ مطالع کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں مختصراً عرض ہے:

رؤیتِ ہلالِ رمضان وعید:

کسی بھی عربی مہینے کا دخول صرف دو ہی طرح سے ثابت ہوسکتا ہے۔

اولاً:......رؤیتِ ہلال۔

ثانیاً:...... ماہِ رواں کا اکمال۔

مثلاً ماہِ رمضان کا چاند نظر آ جائے تو اگلے دن روزہ ہوگا چاہے شعبان کے ابھی انتیس (۲۹) دن ہی گزرے ہوں اور اگر انتیس (۲۹) شعبان کو مطلع ابر آلود ہونے یا کسی بھی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو ماہِ شعبان کی گنتی تیس (۳۰) دن پوری کر کے اگلے دن کا روزہ ہوگا چاہے چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ اِسی طرح ہی اگر انتیس (۲۹) رمضان کو چاند طلوع نہ ہو یا ابر و بادل وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس (۳۰) دن کی گنتی پوری کی جائے گی اور اس سے اگلے دن بہرصورت عید کی جائے گی، تیس رمضان کو شام خواہ چاند نظر آئے یا نہ آئے اور اگر انتیس (۲۹) رمضان کی شام چاند نظر آ جائے تو اگلا دن یکم شوال عید الفطر کا دن ہوگا۔

اس اصول کی بنیاد صحیح بخاری ومسلم، نسائی اور مسند احمد میں وارد اس ارشادِ نبوی ﷺ پر ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا تَصُوْمُوْ حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ

عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْالَهُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ:) فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاثِيْنَ .)) ❶

''اس وقت تک روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک کہ ہلالِ رمضان نہ دیکھ لو اور اس وقت تک افطار (عید الفطر) نہ کرو جب تک کہ اسے (یعنی ہلالِ عید کو) دیکھ نہ لو اور اگر (بادوباراں کی وجہ سے) وہ نظر نہ آئے تو اس کا حساب کرلو۔ (اور ایک دوسری روایت میں اس کی تشریح بھی آ گئی ہے کہ) ماہِ رواں شعبان کی گنتی تیس (۳۰) دن پوری کرلو۔''

رؤیتِ ہلالِ رمضان کی شہادت:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ رؤیتِ ہلال میں یہ شرط نہیں کہ ہر ہر آدمی خود اپنی آنکھ سے ہی چاند دیکھے تو روزہ رکھے یا عید کرے بلکہ روزہ رکھنے کے لیے ایک عاقل و بالغ، نیک خصال وصدق مقال اور قوی النظر شخص شہادت دے دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کی شہادت پر روزہ رکھنا واجب ہوجائے گا جیسا کہ ابوداؤد، ابن حبان، مستدرک حاکم، دارمی اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّی رَاَيْتُهُ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ .)) ❷

''لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی اور میں نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔''

یہ تو ایک معروف آدمی کی شہادت کا معاملہ ہے لیکن اگر کوئی شخص مستور الحال ہو، اس کے فسق و گنہگارِ کبائر یا عدمِ فسق کا علم نہ ہو تو ایک حدیث کی رو سے اس سے توحید ورسالت

❶ بحواله مشكوٰة ١/ ٦١٥ والفتح الربانی ترتیب وشرح مسند احمدالشیبانی ٩/ ٢٤٧ .

❷ المنتقى مع النيل: ٢/ ٤/ ١٨٧ ، مشكوٰة: ١/ ٦١٧ ، ارواء الغليل: ٤/ ١٦ وصحّحهٗ، بلوغ الأمانی: ٩/ ٢٦٧ .

کی شہادت کا مطالبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے جیسا کہ سننِ اربعہ و دارقطنی ، ابن حبان، بیہقی و مستدرک حاکم اور دارمی میں ایک متکلم فیہ حدیث ہے کہ ایک آدمی (اعرابی) نے نبی ﷺ کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔آپ ﷺ نے اس سے اقرارِ توحید ورسالت کی شہادت طلب کی ۔اس نے اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔تب نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

((يَا بِلَالُ! اَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُوْمُوْا غَدًا .)) [1]

''اے بلال (رضی اللہ عنہ)! لوگوں میں اعلان کردو کہ کل وہ روزہ رکھیں۔''

صرف ایک شاہد کی گواہی سے رمضان کا آغاز ثابت ہونا جمہور اہلِ علم کا مسلک ہے جن میں امام ابن المبارک رحمہ اللہ، مشہور قول کے مطابق امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ اور احناف بھی شامل ہیں۔ [2]

رؤیتِ ہلالِ عید کی شہادت:

ہلالِ رمضان کی رؤیت جیسی صورت ہی ہلالِ عید کے بارے میں بھی ہے سوائے اس کے کہ ابتداءِ رمضان یا روزہ رکھنے کے لیے صرف ایک ہی مسلمان کی شہادت کافی ہوتی ہے مگر انتہائے رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کے بارے میں دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے جیسا کہ ابوداؤد و نسائی، دارقطنی اور مسند احمد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عہدِ نبوت میں ایک دفعہ انتیس (۲۹) رمضان کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو لوگوں نے صبح تیسواں (۳۰) روزہ رکھا۔ دن کے وقت دو اعرابی آئے اور انہوں نے رات چاند دیکھ لینے کی شہادت دی تو نبی ﷺ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ روزہ افطار کرلیں۔ [3]

---

[1] مشکوٰۃ : ۱/ ٦١٦ـ ٦١٧ـ الارواء : ٤/ ١٥ وضعّفهٗ۔ بلوغ الأمانی ٩/ ٢٦٧ـ وصحّحه الحاكم فى المستدرك ١/ ٤٢٤ ووافقه الذهبى .

[2] بلوغ الأمانى شرح مسنداحمد الشيبانى : ٩/ ٢٦٨ ونيل الاوطار ٢/ ٤/ ١٨٧ .

[3] الفتح الربّانى ترتيب مسند احمد وشرحه ٩/ ٦٦٥ وقال:اسناده حسن ثابت .

اسی حدیث اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث (دیکھئے: الفتح وشرحہ ۹/۲۶۴۔۲۷۰ و نیل الاوطار ۲/۴/) سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عید کے چاند کے لیے دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے اور اس کے قائلین میں آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں اوران سب کا ایک دوسرا قول بھی ہے۔ ❶ اگرچہ بعض اہلِ علم نے ہر دو کے لیے ہی ایک ایک شہادت اور بعض نے ہر دو کے لیے دو دو شہادتوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ صرف ایک ہی شاہد عادل کی گواہی سے ہلالِ عید کا اثبات امام ابوثور کا قول ہے جسے امام شوکانی نے ظاہر قرار دیا ہے۔ ❷ لیکن ان کے پاس کوئی صحیح ومرفوع حدیث پر مبنی دلیل نہیں ہے۔ صرف عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ سے مروی ایک اثرِ فاروقی ہے جو کہ مسند احمد و بزار میں ہے، اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے شوال کا چاند دیکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((یَاأَیُّهَا النَّاسُ أَفْطِرُوْا.)) ❸

''اے لوگو! روزہ افطار کرلو۔''

لیکن ایک تو یہ اثر ہے مرفوع حدیث نہیں دوسرے یہ کہ یہ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے لکھا ہے:

''اس کی سند میں ایک راوی عبدالاعلیٰ ثعلبی ہے جس کے بارے میں امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے، تاہم اس کی حدیث لکھی جائے گی اور دیگر آئمہ فن نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' ❹

لہٰذا یہ تو قابلِ حجت نہ ہوا۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ان کی تائید میں جو اندازِ استدلال اختیار فرمایا ہے اس کی تفصیل نیل الاوطار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ❺ اب رہے وہ لوگ جو

---

❶ بلوغ الأمانی ۹/ ۲۶۹ .
❷ النیل ۲/ ٤/ ۱۸۸ .
❸ الفتح الربّانی ۹/ ۲۶٦۔۲۶۷ .
❹ بحواله بلوغ الامانی ۹/ ۲۶۷ .
❺ النیل ۲/ ٤/ ۱۸۷۔۱۸۸ .

کہتے ہیں کہ رمضان وعید ہر دو کے اثباتِ ہلال کے لیے دو گواہ ضروری ان کا استدلال نسائی و دارقطنی اور مسند احمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہے جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((...... فَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ فَصُوْمُوْا وَافْطِرُوْا .))

مسند احمد میں شَاهِدَانِ کے بعد مُسْلِمَانِ بھی ہے اور دارقطنی میں ذَوَا عَدْلٍ ہے۔ [1]

''اگر دو گواہ جو مسلمان ہوں اور عادل ہوں، وہ گواہی دے دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی پر روزہ رکھو اور افطار (عید) کرو۔''

اس حدیث کی تائید ابوداؤد و دارقطنی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں امیرِ مکہ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((عَهِدَاِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُنْسِكَ لِلرُّؤْيَةِ فَاِنْ لَّمْ نَرَهُ وَشَهِدَ شَاهِدَا عَدْلٍ نَسَكْنَا بِشَهَادَتِهِمَا .)) [2]

''ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ہم روٗیتِ ہلال پر عمل کریں اور اگر چاند نہ دیکھ پائیں اور دو عادل شاہد گواہی دے دیں تو اس پر عمل کرلیں۔''

ان احادیث میں رمضان وعید ہر دو کے اثبات کے لیے دو گواہ مذکور ہیں لیکن رمضان کے سلسلہ میں چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات میں ہے کہ ایک ہی گواہ کی شہادت پر روزہ رکھا گیا تھا لہٰذا ان ہر دو مواقع کے مابین فرق واضح ہوگیا اور دو والی احادیث کے تو صرف مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کی شہادت سے روزہ نہیں رکھا جائے گا جبکہ ایک کی شہادت سے روزہ رکھنے والی احادیث کا منطوق (ظاہری الفاظ ومفہوم) بتاتا ہے

---

[1] بحواله المنقى مع النيل ٢/ ٤/ ١٨٧-١٨٨ ، ارواء الغليل ٤/ ١٦-١٧ وصحّحهٗ، الفتح الربانى ٩/ ٢٦٤- ٢٦٥ .

[2] المنتقى : ٢/ ٤/ ١٨٩ وصحّحهٗ، الدارقطنى .

کہ ایک کی شہادت اس موقع کے لیے کافی ہے اور مفہوم سے منطوق کی دلالت راجح ہوتی ہے لہٰذا اثباتِ رمضان کے لیے ایک ہی شہادت کافی ہے۔ ❶

فیصلہ کن بات:

ان مختلف اقوال اور احادیث کے مابین جمع وتطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے اور یہی فیصلہ کن بات بھی ہے کہ روزے کے لیے ایک اور عید کے لیے دو گواہوں والی بات ہی زیادہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ روزہ ایک بوجھ یا مشقت محسوس ہوتا ہے، اس کی شہادت و گواہی دینے میں کسی شبہے کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ عید کے چاند سے ایک خوشی ہوتی ہے اور ایک شخص کی شہادت میں شبہے کا احتمال ممکن ہے لہٰذا اسکے لیے دو آدمیوں کی گواہی کا عہد ہی مناسب ہے۔ ❷

ایک نادر صورت:

اگر چاند نظر نہ آئے اور نہ ہی کوئی شہادت ہوتو تیس (۳۰) کی تعداد پوری کرلینی چاہیے اور اگر کوئی ایسی شہادت ہو جو شرعاً معتبر نہ ہوتو ایسے موقع پر شہادت دینے والا خواہ واقع میں سچا ہی کیوں نہ ہو اسے اکیلے اپنی رؤیت پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ باقی لوگوں کے ساتھ رہے جس دن سب لوگ روزہ رکھیں وہ بھی رکھے اور جس دن سب لوگ عید کریں اسی دن وہ بھی عید کرے اور قربانی و عید الاضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ابوداؤد و ترمذی، ابن ماجہ و بیہقی اور دارقطنی میں حدیث ہے:

((اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُيَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْاَضْحىٰ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ .)) ❸

---

❶ بلوغ الامانی : ۹ / ۲۶۸ .

❷ فتاویٰ علماء حدیث ٦ / ١٩٣ مؤلف: مولانا علی محمد سعیدی، اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدالعزیز نورستانی ص۳۷۔ مکتبہ ایوبیہ، کراچی۔

❸ الارواء : ٤ / ١١ ـ ١٤ وصحّحهٗ ـ مجموع فتاویٰ ابن تیمیه : ٢٥ / ١١٤ ـ فتاویٰ علماءِ حدیث ٦ / ١٩٤ .

''روزے کا دن وہی ہے جس دن تم سب لوگ روزہ رکھو اور عید کا دن وہی ہے جس دن تم سب لوگ عید کرو اور عید الاضحیٰ وقربانی کا دن وہی ہے جس دن تم سب قربانی کرو۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کبھی پہلا روزہ کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکا ہو اور اٹھائیس روزے پورے ہونے پر ہلالِ عید نظر آجائے جیسا کہ پچھلے سالوں میں ایک مرتبہ ان عرب ممالک (خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب) میں ایسا ہوگیا تھا تو ایسے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید کر لینی چاہیے بلا وجہ مسلمانوں کی عید کے دن انتیسویں روزے کے لیے بضد نہیں ہونا چاہیے البتہ چونکہ یہ متفق علیہ بات ہے کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوسکتا لہٰذا عید کے بعد سب کو ایک روزہ قضاء ضرور رکھ لینا چاہیے تاکہ تلافیٔ مافات ہوجائے اور مسلمانوں کی عید کی اجتماعی خوشیوں میں شرکت بھی ہوجائے اور چاند چونکہ نظر آ گیا ہے لہٰذا صحیحین وسنن میں وارد حدیثِ نبوی ﷺ: ((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَافْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ.)) [1] پر بھی عمل ہوجائے گا۔ [2]

اس سلسلہ میں اُس سال متعدد کبار علماء کے فتاویٰ صادر ہوئے تھے جن میں یہی بات بیان کی گئی تھی۔ [3]

دوسرے مقام کی رؤیت:

اگر ایک جگہ کے لوگ رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں لیکن بادل وباراں یا گردوغبار کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکیں اور کسی دوسرے مقام پر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے چاند دیکھ لیا جائے اور وہاں سے ٹیلیفون، ٹیلیگرام (تار)، فیکس یا ای میل کے ذریعے خبر پہنچ جائے کہ چاند دیکھا گیا ہے تو ٹیلیفون کی شکل انتہائی واضح ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے گا

[1] الارواء: ٤/ ٣۔ المنتقی: ٢/ ٤/ ١٨٩.

[2] ملخصۂ فی الفتاویٰ: ٦/ ٢٠٧.

[3] دیکھئے: فتویٰ الشیخ ابن بازؒ فی فتاویٰ اسلامیہ ٢/ ١٣٢ طبع دارلقلم، بیروت.

کیونکہ خبر دینے والے کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا۔البتہ ٹیلیگرام وغیرہ کے بارے میں فقہاء کی رائے کافی مختلف یا تفصیل پر مشتمل ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح ہم اپنے دنیوی امور میں تار کو معتبر سمجھتے ہیں ایسے ہی اگر متعدد لوگوں کی طرف سے اتنے تار وغیرہ آ جائیں جو حدِ تواتر کو پہنچ جائیں اور خبر کا یقین ہوجائے تو وہ تار والی خبر بھی معتبر ہوگی۔اور یہی معاملہ قریبی ریڈیو، ٹی۔وی کی خبر کا بھی ہے۔کسی اسلامی ملک یا غیر مسلم ملک کے مسلمانوں کی کسی انجمن کی طرف سے بنائی گئی رؤیتِ ہلال کمیٹی چاندنظر آنے کا اعلان کردے (جسے ان کے حوالے سے چاہے کوئی غیر مسلم اناؤنسر ہی کیوں نہ نشر کرے) اس ملک یا اس مقام کے ہمسایہ ممالک کے قریبی علاقوں میں رہنے والے عوام کے لیے شرعی حجت پوری ہوجاتی ہے۔وہ ہلالِ رمضان ہوتو روزہ رکھ سکتے ہیں اور اگر ہلالِ شوال ہوتو عید کرسکتے ہیں۔اس سلسلہ میں چاند کی خبر ہونے پر سنن اربعہ ودارمی والی حدیث میں نبی ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ((اَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُوْمُوْا غَدًا .)) (حوالہ جات گزر گئے ہیں) کے الفاظ سے روزے کا اعلان کرنے کا حکم دینا، سرکاری اعلان کی حیثیت سے قابلِ توجہ امر ہے۔

اختلافِ مطالع کا اعتبار:

لیکن یہاں ایک اہم بات پیشِ نظر رہے کہ ریڈیو، ٹی۔وی، ٹیلیفون، ٹیلیگرام، فیکس، ای میل، فیس بک، ٹویٹر یا انٹرنیٹ کی خبر تو چند لمحات میں اطراف واکنافِ عالَم میں پہنچ جاتی ہے تو کیا جہاں کہیں بھی چاند نظر آئے اور جہاں جہاں تک خبر پہنچ جائے، ان سب لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہوجائے گا؟

یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جو ''اختلافِ مطالع'' کے عنوان سے محدثینِ عظام اور فقہاءِ کرام میں عہدِ قدیم سے ہی معروف چلا آرہا ہے اور اہلِ علم نے اس موضوع پر بڑی طول طویل بحثیں لکھی ہیں جن سے شروح حدیث اور کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کو نکھارنے کا حق ادا کردیا ہے۔ان تمام بحوث کا خلاصہ جسے ''عطرِ گل'' کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ:

پوری دنیا میں چاند کا مطلع یا وقتِ طلوع ایک نہیں ہوسکتا بلکہ بعض ممالک میں چاند شام کو نظر آ سکتا ہے جبکہ دوسرے دور کے ممالک میں اُسی دن چاند کا نظر نہ آنا آج ایک کھلی ہوئی حقیقت بن چکا ہے لہٰذا اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس دن سعودی عرب اور قریبی خلیجی ریاستوں یا ممالک میں روزہ یا عید ہو اُسی دن پاک و ہند اور دنیا کے دیگر دور افتادہ ملکوں میں بھی ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس دن ایران و افغانستان میں روزہ یا عید ہو اُسی دن انڈیا اور بنگلا دیش میں بھی ہو بلکہ ہر ملک کی اپنی اپنی رؤیت ہے اور وہاں کے رہنے والے لوگ اسی کے پابند ہیں۔ اس بات کو احناف نے بھی مانا ہے۔ [1]

مطالع میں اختلاف کے لیے مسافت:

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہ دوری کتنی ہے کہ دو جگہوں یا ملکوں میں چاند کا مختلف دنوں میں نظر آنا ممکن ہے؟ اور اس دوری ومسافت پر واقع ممالک کی اپنی اپنی رؤیت شمار ہوگی؟ اس مسافت کے سلسلہ میں بھی فقہاء اور اہلِ علم نے متعدد آراء ظاہر کی ہیں بعض نے مجمل طور پر لکھا ہے کہ عراق وحجاز اور شام ایسے ممالک ہیں اور اتنی دوری پر واقع ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے لیے ایک دوسرے کے ملک کی رؤیت کافی نہیں اور نہ ہی وہ دوسرے ملک کی رؤیت پر عید کرنے یا روزہ رکھنے کے پابند ہیں بلکہ ان تینوں ملکوں میں سے ہر ملک خود اپنی رؤیت پر انحصار کرے گا اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے ارشاد: ((لِكُلِّ اَهْلَ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ .)) [2] ''ہر ملک کی اپنی اپنی رؤیت ہے۔'' کا یہی مطلب ہے کہ ایسے ملکوں کی اپنی اپنی رؤیت ہے۔

اس مجمل مسافت یا دوری کی مزید وضاحت اس امر سے بھی ہوجاتی ہے کہ علمِ ہیئت و جغرافیہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت چاند اگر کسی ملک میں آٹھ درجے بلند ہے تو وہ غروبِ آفتاب کے بعد تیس (۳۰) منٹ تک رہے گا۔ ایسا چاند اس مقامِ رویت

---

[1] دیکھئے: جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیو بند ص ۲۹ ومابعد۔

[2] المغنی لابن قدامہ: ۳/ ۸۱، طبع دوم ٤/ ۳۲۸ طبع جدیدہ محقّقہ.

سے مشرقی علاقہ میں پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) یا پانچ سو (۵۰۰) میل تک ضرور موجود ہوگا تو گویا جہاں چاند نظر آ جائے وہاں سے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) یا کم از کم پانچ سو (۵۰۰) میل تک طلوعِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔اس سے آگے نہیں اور مقامِ رؤیت سے مغربی جانب کے ممالک میں مطلقاً رؤیتِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مشرق میں چاند نظر آ جائے تو مغرب میں اس کا طلوع ضروری ہے لیکن مغرب میں اسکے دیکھے جانے سے مشرق میں بھی اس کا دیکھا جانا ضروری نہیں۔ [1]

علماء وفقہاءِ احناف کی نظر میں:

پاک و ہند کے معروف حنفی عالم و محقق مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی دالی ہے اور مختلف فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں مثلاً وہ ''مراقی الفلاح'' نامی کتاب سے اس کے مصنف کا اختلافِ مطالع کے بارے میں نظریہ ان کے اپنے الفاظ سے یوں نقل کرتے ہیں:

"وَقِيْلَ يَخْتَلِفُ ثُبُوْتَهٗ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ وَاخْتَارَهٗ صَاحِبُ التَّجْرِيْدِ، كَمَا اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عِنْدَ قَوْمٍ وَغَرَبَتْ عِنْدَ غَيْرِهِمْ۔ فَالظُّهْرُ عَلَى الْاَوَّلِيْنَ لَاالْمَغْرِبُ لِعَدَمِ اِنْعِقَادِ السَّبَبِ فِيْ حَقِّهِمْ."

''بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کی وجہ سے رؤیتِ ہلال کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔تجرید القدوری کے مصنّف نے اسی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ جب کچھ لوگوں کے یہاں سورج سر سے ڈھل جائے اور دوسروں کے یہاں غروب ہوجائے تو پہلے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب، کیونکہ

[1] بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، شمارہ بابت ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء نیز دیکھئے: رمضان المبارک کے فضائل و احکام شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ (صاحبِ مرعاۃ) ص۸۔۱۲ طبع جامعہ سلفیہ بنارس۔

ان کے حق میں مغرب کا سبب متحقّق نہیں ہوا ہے۔''

''مراقی الفلاح'' کے حاشیہ پر علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

"وَهُوَالْاَشْبَهُ لِاَنَّ اِنْفِصَالَ الْهِلَالِ مِنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَقْطَارِ كَمَا فِیْ دَخُوْلِ الْوَقْتِ وَخُرُوْجِهٖ وَهٰذَا مُثْبَتٌ فِیْ عِلْمِ الْاَفْلَاكِ وَالْهَيْئَةِ وَاَقَلُّ مَا اخْتَلَفَ الْمَطَالِعُ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ كَمَا فِی الْجَوَاهِرِ ."

''یہی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ چاند کا سورج کی کرنوں سے الگ ہونا علاقوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے جیسا کہ اوقات (نماز) کی آمدورفت میں اور یہ فلکیات وعلم ہیئت کے مطابق ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور کم از کم جس مسافت سے اختلاف مطالع واقع ہوتا ہے وہ جواہر نامی کتاب کے مطابق ایک ماہ کی مسافت ہے۔''

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"اَهْلُ بَلْدَةٍ اِذَا رَأَوْاالْهِلَالَ هَلْ يَلْزَمُ فِیْ حَقِّ كُلِّ بَلْدَةٍ اِخْتَلَفَ فِيْهِ؟ فَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ: لَايَلْزَمُ ...... وَفِیْ الْقَدُوْرِیِّ:اِنْ كَانَ بَيْنَ الْبَلْدَتَيْنِ تَفَاوُتٍ لَا يَخْتَلِفُ بِهِ الْمَطَالِعُ يَلْزَمُهٗ ."

''ایک شہر والے جب چاند دیکھ لیں تو کیا تمام شہروں والوں کے حق میں رؤیت لازم ہوجائے گی؟ اس میں اختلاف ہے، بعض کی رائے ہے کہ لازم نہیں ہوگی اور قدوری میں ہے کہ اگر دو شہروں کے مابین ایسا تفاوت و دوری ہو کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں رؤیت لازم ہوگی۔''

صاحبِ ہدایہ اپنی ایک دوسری کتاب ''مختارات النوازل'' میں لکھتے ہیں:

"اَهْلُ بَلْدَةٍ صَامُوْاتِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ يَوْماً بِالرُّؤْيَةِ وَاَهْلُ بَلْدَةٍ اُخْرَىٰ صَامُوا ثَلَاثِيْنَ بِالرُّؤْيَةِ فَعَلَى الْاَوَّلِيْنَ قَضَاءٌ اِذَا لَمْ

يَخْتَلِفِ الْمَطَالِعُ بَيْنَهُمَا ، اَمَّااِذَا اخْتَلَفَ لَا يَجِبُ الْقَضَاءُ . "

''ایک شہر والوں نے رؤیتِ ہلال کے بعد ۲۹ روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے چاند کی بناء پر ۳۰ روزے رکھے تو اگر ان دونوں شہروں میں مطلع کا اختلاف نہ ہوتو ۲۹ روزے رکھنے والوں کو ایک دن کی قضاء کرنی چاہیے اور اگر دونوں شہروں کا مطلع جداگانہ ہوتو قضاء کی ضرورت نہیں۔''

معروف حنفی محدث علامہ زیلعی نے کنز الدقائق کی شرح ''تبیین الحقائق'' میں اختلافِ مطالع کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں فقہاءِ احناف کے مابین پایا جانے والا اختلاف نقل کرنے کے بعد خود جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے:

"اَلْأَشْبَهُ أَنْ يُّعْتَبَرَ لِأَنَّ كُلَّ قَوْمٍ مُخَاطَبُوْنَ بِمَا عِنْدَهُمْ وَانْفِصَالُ الْهِلَالِ عَنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ كَمَا فِيْ دُخُوْلِ وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَخُرُوْجِهٖ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَقْطَارِ . "

''زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے کیونکہ ہر قوم وجماعت اس کی مخاطب ہوتی ہے جو اسکو درپیش ہو اور چاند کا سورج کی کرنوں سے الگ ہونا مطالع کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے جیسا کہ نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات علاقوں کے مختلف ہونے کی بناء پر مختلف ہوتے رہتے ہیں۔''

اس موضوع پر مفصّل گفتگو کرنے اور فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات نقل کرنے کے بعد علاّمہ لکھنوی رحمہ اللہ نے جو جچا تُلا فیصلہ صادر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

"اصح المذاهب عقلاً ونقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیما بین آنہا مسافتے باشد کہ درآں اختلاف مطالع می شود وتقدیرش مسافت یک ماہ است دریں صورت حکم رؤیت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر نخواہدشد ودربلاد متقاربہ کہ مسافت کم از کم یک

ماه داشته باشند حکم رؤیت یک بلده دیگر لازم خواهدشد.'' [1]

''عقل ونقل ہر دو اعتبار سے سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دوشہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطالع بدل جائیں جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اس میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے معتبر نہیں ہونی چاہیے اور قریبی شہروں میں جنکے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو ان میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے لازمی وضروری ہوگی۔''

جدید فقہی مسائل کے مؤلف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) نے لکھا ہے کہ ''راقم الحروف کے خیال میں یہ رائے بہت معتدل، متوازن اور قرینِ عقل ہے۔البتہ اختلافِ مطالع کی حدیں متعین کرنے میں ''ایک ماہ کی مسافت'' کی قید کی بجائے جدید ماہرینِ فلکیات کے حساب اور انکی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔''

مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کا ایک اجلاس ۳ اور ۴ فروری ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور نمائندہ شخصیتوں نے شرکت کی۔اس میں مسئلہ ''رؤیتِ ہلال'' کے تمام پہلوؤں پر غور اور فیصلے کیے گئے جن میں سے ہی یہ بھی تھا کہ بلادِ قریبہ وہ شہر ہیں جن کی رؤیت میں عادۃً ایک دن کا فرق نہیں پڑتا (یعنی ایک ہی شام چاند نظر آ جاتا ہے) اور فقہاء نے ایک ماہ کی مسافت جو پانچ چھ سو میل ہوتی ہے اتنی مسافت پر واقع شہروں کو بلادِ بعیدہ قرار دیا ہے جن کی رؤیت الگ الگ سمجھی جائے گی (کہ ایک جگہ چاند نظر آ سکتا ہے اور دوسری جگہ نہیں) اور اس سے کم مسافت کے شہروں کو بلادِ قریبہ قرار دیا گیا ہے جن میں سے ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے کافی ومعتبر ہوگی۔اور یہ بھی طے کیا گیا کہ مجلس ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع (چاند طلوع

[1] مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاویٰ ۱/ ۲۵۵-۲۵٦ بحواله جدید فقهی مسائل ص:۸۱-۸۳۔ نیز دیکھئے: اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدلعزیز نورستانی ص ٤٣-٤٧ طبع مکتبه ایوبیه کراچی.

ہونے یا اس کے نظر آنے کا مقام) کتنی مسافت پر بدلتا ہے اور کن کن ملکوں کا آپس میں مطلع ایک ہے اور پاک و ہند کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علماءِ پاک و ہند کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعدِ مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو۔ البتہ مصر و حجاز جیسے ملکوں کا مطلع پاک و ہند سے دور ہونے کی وجہ سے الگ ہے لہٰذا ان میں پاک و ہند میں طلوعِ ماہتاب (طلوعِ ہلال) میں ایک دن کا فرق واقع ہو جاتا ہے لہٰذا ان ملکوں کی رؤیت پاک و ہند والوں کے لیے لازم نہیں ہے۔ [1]

برصغیر کے معروف عالم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''ہندوستان میں وارنگل، سلی گوری اور مدراس، میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے (جو مختلف ملکوں میں ہے) ہندوستان ایک ہی ملک ہے لیکن سطح کی بلندی اور پستی کا فرق واضح ہے۔شملہ اور آبو کا افق اور کلکتہ و چیرالوکی کا افق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔طول البلاد کا اتنا فرق ہے کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہوسکتا۔'' [2]

شکست وریخت:

اختلافِ مطالع کے سلسلہ میں یہاں پر واضح کر دیں کہ احناف کے یہاں بھی اگرچہ اختلاف موجود ہے لیکن احناف کا مشہور مذہب یہی ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے اور یہی صحیح تر بات ہے کہ اعتبار کیا جائے حتیٰ کہ مولانا عبدالحئی اور بعض دیگر حنفی اہلِ علم نے بھی اسے ہی صحیح قرار دیا ہے اور اس مسئلہ کے تعلق سے حنفی مذہب میں جو شکست وریخت نظر آرہی ہے وہ اس امر سے مزید واضح ہو جاتی ہے کہ جدید فقہی مسائل کے حنفی مؤلف نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مطالع میں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ مسئلہ اب نظری نہیں رہا

---

[1] مختصراً بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۸۳۔۸۴۔

[2] الاعتصام جلد ۲۶، شمارہ ۳۲ بحوالہ فتاویٰ علماء حدیث ۱۶۴/۶۔

بلکہ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی سطح پر ثابت ہوچکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مطلع کا اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں جن کے درمیان بارہ بارہ گھنٹوں کا فرق ہے عین اس وقت جبکہ ایک جگہ دن اپنے شباب پر ہوتا ہے، دوسری جگہ رات اپنا آدھا سفر طے کرچکی ہوتی ہے۔ٹھیک اسوقت جب کہ ایک جگہ ظہر ہوتی ہے دوسری جگہ مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا ہے۔ظاہر ہے ان حالات میں ان مقامات کا مطلع ایک ہو ہی نہیں سکتا۔فرض کیجیے کہ جہاں مغرب کا وقت ہے اگر وہاں چاند نظر آئے تو کیا جہاں ظہر کا وقت ہے وہاں بھی چاند نظر آ جائے گا؟ یا اسکو مغرب کا وقت تسلیم کرلیا جائے گا؟

اور دوسرا مسئلہ جو اختلافِ مطالع کے اعتبار یا عدمِ اعتبار سے تعلق رکھتا ہے اس کے بارے میں احناف کا مشہور مسلک ذکر کرنے اور شافعیہ وغیرہ کے مسلک کا تذکرہ کرنے کے بعد مولانا خالد سیف اللہ لکھتے ہیں:

''یہ بات بہت واضح ہے کہ نمازوں کے اوقات میں سبھی اختلافاتِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہو چکا ہو اور دوسری جگہ نہ ہوا ہو تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ محض اس بناء پر ظہر وعشاء کی نماز ادا نہیں کر سکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہو چکا ہے۔یا ایک جگہ اگر مہینہ کا اٹھائیسواں (۲۸) ہی دن ہے اور دوسری جگہ انتیسواں (۲۹)، جہاں چاند نظر آ گیا تو محض اس بناء پر کہ دوسری جگہ چاند نظر آ گیا ہے ۲۸ ویں تاریخ ہی پر مہینہ ختم کرکے اگلے دن رمضان یا عید نہیں کی جائے گی۔اس لیے یہ بات فطری اور انتہائی منطقی ہے کہ مطالع کا اختلاف اور اسی لحاظ سے رمضان وعید کا اختلاف تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔'' [1]

بعض متجددین کی طرف سے جو ''وحدتِ امت'' کے لیے دنیا بھر میں ''وحدتِ عید'' کا شاخسانہ تیار کیا گیا ہے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (شارح نسائی) شیخ الحدیث مولانا محمد

[1] دیکھئے: جدید فقہی مسائل ص ۷۹۔۸۰۔

اسماعیل سلفی (امیرِ مرکزی جمعیت، پاکستان) مولانا عبدالقدوس ہاشمی حنفی، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا عزیز زبیدی نے الاعتصام لاہور، جسارت کراچی، فکر و نظر اسلام آباد، محدث لاہور اور تفسیر ماجدی میں اس کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ [1]

رؤیتِ ہلال، وحدتِ امت اور اختلافِ مطالع کے موضوع کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: ①...... المغنی ٣/ ٨١-٨٣ بتحقیق: محمد خلیل ھراس طبع مصر۔ ②...... نیل الاوطار ٢/ ٤/ ١٩٤-١٩٥، طبع بیروت. ③...... فتاویٰ ابن تیمیه ٢٥/ ١٠٣-١١٤، طبع سعودی حکومت. ④...... فتاویٰ علماءِ حدیث ٦/ ١٢٠-٢٠٧، طبع خانیوال. ⑤...... الفتح الربانی و شرحه ٩/ ٢٧٠-٢٧٢، طبع مصر. ⑥...... اطلاع ارباب الکمال علی ثبوت رؤیة الھلال ص ٤-٧٦، مؤلفه: مولانا عبدالعزیز نورستانی، طبع مکتبه ایوبیه، کراچی پاکستان. ⑦...... جدید فقھی مسائل، ص٦٧-٧٤، طبع حیدرآباد، انڈیا.

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے:

کبھی یہ صورت بھی پیش آ سکتی ہے کہ ہمارے ان خلیجی یا دوسرے ممالک میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنی مقامی رؤیت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کیا اور عید الفطر سے چند دن قبل پاکستان یا انڈیا وغیرہ چلا گیا تا کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ مل کر عید کی خوشیاں منا سکے جبکہ وہاں عموماً روزوں کا آغاز ایک دن بعد ہوتا ہے۔

اس کے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے چند روزے اپنے ملک میں رکھنے کے بعد وہ یہاں عرب ممالک میں آ جائے جبکہ یہاں والوں نے اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھا تھا۔ ان ہر دو صورتوں میں سے کبھی تو کسی کے دوسروں کے ساتھ رہنے سے صرف

[1] للتفصیل فتاویٰ علماء حدیث ٦/ ١٦٤، ١٨٣، ١٩٨، ١٩٩، ٢٠٠، ٢٠٥، ٢٠٦ اطلاع ارباب الکمال نورستانی ص ١٠-٢٣ طبع مکتبه ایوبیه کراچی وفتویٰ شیخ ابن باز فی فتاویٰ اسلامیه ٢/ ١٣٦ طبع دار القلم بیروت.

اٹھائیس (۲۸) روزے ہی ہو پاتے ہیں اور کبھی اکتیس (۳۱) بھی ہو سکتے ہیں جبکہ نہ یہ صحیح ہے اور نہ ہی وہ درست۔

پس چہ باید کرد؟

مذکورہ دونوں صورتوں کے نتیجہ میں پیش آمدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ:

''اگر کوئی شخص کسی جگہ مقامی رؤیت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کرتا ہے۔ پھر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے رہنے والوں نے ایک دن پہلے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو وہ شخص انہی کے ساتھ عید الفطر کر لے اور ان کے پہلے روزے کی جگہ اسے ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔''

اگر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے لوگوں نے اس شخص سے ایک دن بعد میں روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

''اگر وہ کہیں کہ وہ اکیلا ہی (ایک روزہ پہلے رکھ چکنے کی وجہ سے) عید الفطر کرلے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اکیلا آدمی چاند دیکھ لیتا ہے تو وہ اکیلا ہی مشہور قول کے مطابق افطار (عید الفطر) نہیں کرسکتا اور اگر وہ ان کے ساتھ ہی روزے رکھتا رہے تو اس کے روزے (وہاں تیس ہونے کی شکل میں) اکتیس ہوجائیں گے۔''

لہٰذا اگر اہلِ بلد اپنے روزے مکمل کرکے عید کریں مگر اس کے تاخیر رؤیتِ ہلال اور تاخیرِ آغازِ رمضان کی وجہ سے روزے پورے ہونے کی بجائے صرف اٹھائیس [۲۸] رہ جائیں تو بھی یہ ان مقامی لوگوں کے ساتھ عید کرلے اور بعد میں ایک روزہ قضاء کرلے کیونکہ رمضان کسی بھی صورت میں اٹھائیس [۲۸] دنوں کا نہیں ہوسکتا۔

''اگر تقدیمِ رؤیتِ ہلال اور تقدیمِ آغازِ رمضان کی وجہ سے اس کے روزے تو تیس [۳۰] ہوگئے مگر مقامی لوگ اپنی رؤیت کے حساب سے اگلے دن بھی روزہ رکھیں تو اس شخص کو

اختیار ہے کہ یہ افطار کرلے (یعنی روزہ نہ رکھے) مگر (مقامی رؤیت کے حساب سے جاری) رمضان المبارک کے احترام کی خاطر سرِ عام کھانے پینے سے گریز کرے اور چاہے تو مقامی لوگوں کے ساتھ محض نفلی طور پر روزہ رکھ لے۔اور نفلی اس لیے کہ رمضان المبارک کے دن بالاتفاق اکتیس [۳۱] ہو ہی نہیں سکتے اور وہ اپنے تیس [۳۰] روزے پورے کر چکا ہے اور یہ دوسری (نفلی روزہ رکھ لینے والی) صورت ہی بظاہر افضل ہے۔'' ❶

علامہ ابن باز رحمہ اللہ اِسی سلسلہ میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا ہے جس میں اٹھائیس [۲۸] روزے رہ جانے کی شکل میں تو وہ انتیسواں [۲۹] روزہ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں کہ کوئی عربی مہینہ انتیس [۲۹] دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں البتہ دوسری شکل میں اگر اسے اکتیسواں [۳۱] روزہ بھی رکھنا پڑے تو وہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

((اَلصَّوْمُ یَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْاِفْطَارُ یَوْمَ تُفْطِرُوْنَ .))

''روزہ اسی دن سے شروع ہے جس دن سے تم سب روزہ رکھو اور عید اسی دن ہے جس دن تم سب کی عید ہو۔''

اس حدیث کی روشنی میں اکتیسواں روزہ رکھنا بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ ❷

اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں اکتیسواں روزہ بھی نفلی طور پر نہیں بلکہ وجوباً رکھنا ہوگا جبکہ یہ بات موصوف کے خود اپنے قول کہ ''کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں'' کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ جس طرح کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوتا اُسی طرح ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی عربی مہینہ تیس دنوں سے بالاتفاق زیادہ بھی

❶ التفصیل: المجموع شرح المهذب للامام نووی: ٦/ ٣٩٢۔٣٩٣، طبع مصر۔ مجموع فتاویٰ امام ابن تیمیه: ٢٦/ ١٠٦ وما بعد طبع سعودی حکومت.

❷ بحواله فتاویٰ اسلامیه ٢/ ١٣٣، طبع دارالقلم بیروت۔ الفتاویٰ لابن باز ١/ ١١٧۔ سلسلة "کتاب الدعوة" الریاض وماهنامه الفرقان۔قبرص (سائپرس) وکویت جلد اول شماره ٤ بابت ماه رمضان ١٤٠٩ھ۔اپریل ١٩٨٩ھ.

نہیں ہوتا جیسا علامہ ابن رشد نے رمضان المبارک کے روزوں کی کم از کم تعداد ۲۹ اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ پر اجماعِ اُمت نقل کیا ہے۔ [1]

لہٰذا یہ صورتِ حال پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ روزہ رکھنا ہی افضل ہے وجوباً ہو یا نفلاً۔

زیرِ نظر کتاب برصغیر پاک وہند کی معروف علمی شخصیت اور ہمارے فاضل دوست ابوکلیم فضیلۃ الشیخ مقصودالحسن صاحب فیضی (الغاط۔القصیم۔ سعودی عرب) کی تالیفِ لطیف ہے جوکسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔وہ ایک عمدہ مقرر وخطیب ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ قلم وقرطاس ادیب بھی ہیں۔اس کتاب کے وقار واعتبار کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اس میں انہوں نے زیرِ بحث موضوع پر سیرحاصل،مکمل ومدلل اور جامع ومانع گفتگو کی ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْراً فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

ہمارے احباب اسے معیاری انداز کے ساتھ شائع کرکے ''توحید پبلی کیشنز، بنگلور'' کی طرف سے اپنے معزز قارئین تک پہنچانے کا شرف حاصل کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اسے مؤلف ومقدم اور ناشرین ومعاونین کے میزانِ حسنات کا حصہ بنادے۔آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

ابوعدنان محمد منیر قمر

مترجم المحکمۃ العامۃ(شرعی کورٹ) بالخبر

وداعیہ متعاون، مکاتبِ جالیات الخبر، الراکہ، الدمام (سعودی عرب)

۲۱/ ۱۲/ ۱۴۳۴ھـ ۲۶/ ۱۰/ ۲۰۱۳

---

[1] بدایة المجتهد ۱/ ۲۸۳۔۲۸۴، طبع مکتبة المعارف الریاض.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

أَمَّا بَعْدُ ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ الضَّلَالَةِ فِي النَّارِ .

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (سورة آل عمران : ۱۰۲)

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ ﴾ (سورة النساء : ۱)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

(سورة الاحزاب : ۷۰۔۷۱)

اَما بعد! روزہ شروع کرنے اور عید منانے کے مسئلے کو شریعت نے رؤیتِ ہلال یا مہینے کے تیس دن پورے ہونے سے منسلک کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرة : ۱۸۵)

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ .)) ❶

''یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ افطار کرو، پھر اگر تم پر بادل چھا جائے تو ماہ شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرلو۔''

یہ حکم ایک قاعدہ کُلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، تمام دنیا کے مسلمان اس کے مخاطب ہیں، خواہ وہ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوں یا مکہ مکرمہ کے، عرب ہوں یا عجم، عہدِ نبوی کے مسلمان ہوں یا کسی اور صدی کے، ہر ایک کے لیے یہ ایک اصول ہے جس پر اپنے روزوں اور عید و حج کی بنیاد رکھیں صدیوں تک علماء وفقہاء اس اصول پر قائم رہے اور عام مسلمان بھی اسی پر اُن کی پیروی کرتے رہے، لیکن بعد میں بعض فقہاء کی جدت طرازیوں یا فقہی موشگافیوں کی وجہ سے یہ قاعدہ کلیہ ٹوٹتا ہوا نظر آیا اور اس کے بارے میں دو مسئلے بہت کھل کر سامنے آئے:

(۱)...... کیا سارے عالم کے لیے کسی ایک جگہ کی رؤیت کافی ہے یا پھر ہر علاقے کے لوگ اپنی اپنی رؤیت پر اعتماد کریں؟

(۲)...... رؤیت ہلال کی بجائے علمِ فلک پر اعتماد کر کے عربی یا شرعی مہینے کی ابتدا وانتہا کو مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بلکہ مزید آگے بڑھ کر بعض احباب نے یہاں تک آواز بلند کی کہ تمام عالم کو صرف اور صرف مکہ مکرمہ کی رؤیت پر اعتماد کرنا چاہیے، حالانکہ یہ ایسا قول ہے جس کا قائل کوئی بھی عالم وفقیہ ''بجز علامہ احمد شاکر کے'' نظر نہیں آتا۔

ان موضوعات پر ماضیِ قریب اور حال میں بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے، متعدد علمی

---

❶ صحيح البخاري : ۱۹۰۹ الصوم۔ صحيح مسلم : ۱۰۸۰ الصيام، برواية ابن عمر رضی اللہ عنہما.

اور فقہی کمیٹیوں نے ان موضوعات پر متعدد سیمینار منعقد کئے ہیں، خصوصاً ''رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ'' کے زیرِ نگرانی کام کرنے والی کمیٹی ''مجمع الفقه الاسلامی'' میں یہ موضوع کئی بار زیرِ بحث آچکا ہے، تفصیل کے خواہاں حضرات مجلّہ مجمع الفقه الاسلامی شمارہ نمبر۳ جلد نمبر۲ اور شمارہ نمبر۳ جلد نمبر۳ کا مطالعہ کریں۔

ان مقالات میں دو متضاد نظریات یا رائیں پیش کی گئیں، کچھ مقالہ نگار اور اہلِ علم نے تو اس بات پر زور دیا کہ شرعی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے ضروری ہے کہ تمام عالم اسلامی کو اپنے روزے اور عید کے موقعوں پر متحد رہنا چاہیے، اس کے برعکس دوسرے مقالہ نگاروں اور اہلِ علم کا موقف یہ تھا کہ وحدتِ رؤیت شرعی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے، اور نہ ہی واقعۃً الأمر پر اسے فٹ کیا جاسکتا ہے، اس اختلاف کا اثر ہند و پاک پر بھی پڑا، متعدد دینی پرچوں اور اجتماعات میں یہ موضوع زیرِ بحث آیا، بلکہ بعض مستقل کتابیں بھی منصۂ شہود پر آئیں، لیکن ضرورت تھی کہ اس سلسلے میں کوئی متفقہ قرار داد پاس کی جائے تاکہ عوام کو خصوصاً ان کی سالانہ تقریبات کے موقعہ پر تشرذم واختلاف سے بچایا جاسکے، شاید اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ہند نے ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرس میں [جو ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۲۰۰۴م بمقام پاکوڑ جھارکھنڈ بہار منعقد ہوئی] ایک فقہی سیمینار بھی رکھا، جس میں بعض اہم اور عصری مسائل پر مقالہ لکھنے کے لیے اہل قلم حضرات کو خطوط لکھے اور ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ رابطہ کیا، انھیں عنوانوں میں سے ایک عنوان ''وحدتِ رؤیت اور اختلافِ مطالع'' سے متعلق بھی تھا، اللہ تعالیٰ مجلس انتظامیہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

اراکینِ مجلس انتظامیہ کی یہ خوش فہمی تھی کہ مجھ جیسے طالبِ علم کو اس قابل سمجھا اور وحدت رؤیت کے موضوع پر کچھ لکھنے کا حکم دیا، ناظم مجلسِ استقبالیہ نے ٹیلی فون پر اصرار کیا کہ مجھے اس پر کچھ ضرور لکھنا ہے جس کے لیے بادلِ ناخواستہ مجھے تیار ہونا پڑا اور یہی سبب بنا ہے اس مقالے اور بحث کی ترتیب وتالیف کا۔

اس بحث کو ہم نے درجِ ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے:

❁: تمہید:......اس میں حمد وثنا کے بعد، مقالہ لکھنے کا سبب، طریقۂ بحث اور شکر وسپاس کا بیان ہے۔

❁: مقدمہ:......اس میں شرعی مہینے کیا؟ مسلمانوں کے دینی ودنیوی معاملات سے ان کا ارتباط، شرعی مہینوں کی معرفت کا ذریعہ اور ان کی ابتدا وانتہا کیسے؟ کا بیان ہے۔

❁: فصل اول:......اس میں رؤیتِ ہلال کی اہمیت، رؤیتِ ہلال کے لیے جدید آلات کا استعمال اور اس کی شرعی حیثیت، شرعی مہینوں کے اثبات کے لیے علمِ فلک پر اعتماد کی شرعی حیثیت کا بیان قدرے تفصیل سے آ گیا ہے۔

❁: فصل دوم:...... اس فصل میں اختلافِ مطالع، اس کی حقیقت و حدود اور اس کے اعتبار اور عدمِ اعتبار کا بیان ہے۔

❁: فصل سوم:......اس فصل میں درج ذیل بحثیں ہیں:

❁: بحث اول:...... وحدتِ رؤیت اور عدم وحدتِ رؤیت۔

❁: بحث دوم:...... وحدتِ رؤیت اور عدم وحدتِ رؤیت کے بارے میں علماء کے اقوال کا اجمالی بیان۔

❁: بحث سوم:......مختلف اقوال کا تفصیلی بیان اور ہر ایک کے دلائل کا جائزہ۔

❁: بحث چہارم:......ترجیح اور کاتبِ مقالہ کی رائے۔

❁: خاتمہ:...... بحث کا خلاصہ اور بعض سفارشات۔

میری پوری کوشش یہ رہی ہے کہ ہر بات کو کتاب وسنت اور علمائے حق کے بیان سے مدلل کیا جائے اور مخالف کے دلائل کا بھی غیر جانب داری سے جائزہ لیا جائے، پھر بھی کاتبِ مقالہ ایک طالبِ علم اور خطا ونسیان کا پتلا انسان ہے، اگر حق کو پہنچا تو محض فضلِ الٰہی سے اور اگر حق نے ساتھ نہیں دیا تو اس میں نفس وشیطان کا دخل ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ان احباب ومحسنین کا شکریہ ادا نہ کروں جو اس مقالہ کے لکھنے کا سبب بنے یا اس کے بارے میں ہمارے معاون ومددگار رہے ہیں۔

خصوصاً مرکزی جمعیتِ اہلحدیث ہند جس نے مجھ جیسے کم علم کو اس لائق سمجھا کہ وہ اس علمی اور دعوتی کانفرس میں مقالہ نگار اور مقرر کی حیثیت سے شریک ہو۔

جمعیۃ الغاط الخیریہ کے ممبران جنھوں نے نہ صرف کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی بلکہ اوقاتِ عمل کے دوران مقالہ لکھنے کی مکمل آزادی دی، اور جن کتابوں کی ضرورت پڑ سکتی تھی، ان کی خریداری کا پورا اختیار دیا، بلکہ یہ حضرات ہر دعوتی کام میں میرے بہت بڑے معاون ثابت ہوئے ہیں۔ جَزَاهُمَ اللّٰهُ عَنِّیْ وَعَنِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ .

محترم دوست مولانا شبیر احمد نورانی، مالک نورِ اسلام اکیڈمی لاہور بھی خصوصی شکریئے کے حق دار ہیں، جنھوں نے اپنی مشغولیت اور ناسازئ طبع کے باوجود پوری بحث کو دلجمعی سے پڑھا اور متعدد جگہ ترمیم کا مشورہ دیا اور اصلاح فرمائی۔

آخر میں اپنے عزیز بیٹوں اور بیٹیوں کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اس مقالہ کو کمپیوٹر پر لکھنے اور اس کی پروف ریڈنگ وغیرہ میں بڑھ چڑھکر حصہ لیا۔

حق تو یہ ہے کہ اگر فضل الٰہی کے بعد اُن حضرات کی مدد شامل حال نہ رہتی تو اس کم علم سے یہ کام تکمیل تک نہ پہنچتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ مذکورہ تمام حضرات کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اس مقالے کو میری اور ان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

فضیلۃ الشیخ **ابوکلیم مقصود الحسن فیضی**

الغاط۔ سعودی عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

شرعی مہینے:

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَ الۡحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالۡحَقِّ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ۝﴾ (یونس : ۵)

''وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم لوگ برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔''

یہ آیتِ کریمہ اوقات کی معرفت، تاریخ وحساب کے علم اور ماہ و سال کی تعیین کے بارے میں بنیادی اصول اور قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہے،اللہ تعالی نے سورج کو روشنی سے نوازا [اوراس کے لیے منزلیں متعین فرمائیں] تا کہ دِنوں اور ہفتوں کا حساب لگایا جاسکے اور چاند کو نور سے نوازااوراس کے لیے بھی منزلیں متعین فرمائیں تاکہ مہینوں اور سالوں کا حساب آسانی سے کیا جاسکے، اِس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتوں اور دنوں کا حساب اس قدر آسان رکھا کہ شہری و دیہاتی، عالم وجاہل ہر شخص آسانی سے معلوم کرسکتا ہے یعنی سورج نکلاتو دن شروع ہوگیا اورسورج ڈوباتو دن ختم ہوا اور رات آ گئی، اس طرح دن ورات کی تعداد سات پوری ہوگئی تو ایک ہفتہ مکمل ہوگیا، اسی طرح جب اُفقِ مغرب پر ماہِ نو دکھائی دیا تو نیا مہینہ شروع ہوگیا یہاں تک جب انتیس یا تیس کی گنتی پوری کرکے دوبارہ ظاہر ہوا تو ایک مہینہ پورا ہوکر

دوسرا مہینہ شروع ہوگیا اور اس طرح جب مہینوں کی تعداد بارہ پوری ہوگئی تو ایک سال مکمل ہوگیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ....﴾

(التوبة : ٣٦)

''مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان اورزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت وادب والے ہیں، یہی درست دین ہے۔''

اللہ رب العالمین کی مقرر کردہ یہی وہ تقویم وجنتری ہے جسے تمام اقوام کے لیے مقرر کیا گیاہے، جس کے ذریعے سے لوگ اپنے دینی ودنیوی معاملات کا حساب کرتے چلے آئے ہیں،لیکن شیطان کی پیروی اورآسان ترین طریق پر عدمِ قناعت کی وجہ سے اس فطری اورشرعی تقویم کو چھوڑ کر لوگوں نے نسیء،کبیسہ اور ملماس [1] کی بدعت ایجاد کرلی تھی۔ اہل ِعرب اورخصوصاً حرم کے پاسبان حضرات بھی اس بدعت سے محفوظ نہ رہ سکے جس سے قمری

---

[1] اہل عرب نے مہینہ اور سال کے سلسلے میں دو بدعتیں ایجاد کی تھیں : پہلی بدعت ''نسیء'' کی تھی ،''نسیء'' کے معنی ہیں تاخیر کے،ہوتا یہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چار مہینوں کوحرمت واحترام کے مہینے قرار دیا تھا، ان میں سے تین مہینے پے درپے تھے، ذی القعدۃ،ذی الحجہ اورمحرم،ان مہینوں میں مشرک بھی جنگ وجدال اور غارتگری کوحرام تصور کرتے تھے،لیکن چونکہ تین مہینے پے در پے جنگ وجدال اورخون کا انتقام لینے سے رکے رہنا ایک لمبی مدت تھی جوان کے صبر سے باہر کی بات تھی اس لیے وہ ان مہینوں میں سے کسی ایک مہینے کو حلال سمجھ کر اس میں قتل و غارت گری کرلیا کرتے تھے اور اس کے بدلے کسی حلال مہینے کوحرام قرار دے کر، حرام مہینوں کی تعداد پوری کرلیا کرتے تھے۔

دوسری بدعت ''کبیسہ'' کی تھی، یہ بعینہ وہی چیز ہے جسے ہمارے یہاں لَونداورمَلماس کا مہینہ کہتے ہیں یعنی قمری سال کوشمسی سال کے مطابق کرنے کے لیے ہر تیسرے سال قمری سال میں ایک مہینے کا اضافہ کردیا کرتے تھے تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے اور وہ حج کے موقعہ پرسردی وگرمی کی الجھنوں سے بچتے رہیں۔

مہینوں کی وہ ترتیب جو اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی، اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہ سکی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب اس دینِ حنیف کو مکمل کیا تو مہینوں کی ترتیب کو بھی ان کی اصلی حالت پر لوٹا دیا اور اسی کو درست دین قرار دیا تا کہ واضح ہو جائے کہ مہینوں کی یہی ترتیب اور دنوں اور سالوں کا یہی حساب برحق ہے، اِسی کو اپنانا چاہیے اور اپنے دینی و دنیوی معاملات کو اِنہیں مہینوں اور سالوں کی بنیاد پر چلانا چاہیے۔ [1]

اسی سہولت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے بندوں کے یومیہ اور ہفتہ واری معاملات خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی، ان کا حساب سورج کے غروب وطلوع پر رکھا ہے، نماز سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ (الاسراء : ٧٨)

---

[1] بعض علماء کا خیال ہے کہ چونکہ ''نسیء وکبیسہ'' کی بدعت کی وجہ سے حج کبھی محرم میں واقع ہوتا تھا، کبھی ذی القعدۃ اور کبھی کسی اور مہینے میں، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس فریضے کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لیا حتیٰ کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا حج ذی القعدۃ کے مہینے میں واقع ہوا تھا، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی ﷺ کو یہ اطلاع دی کہ اس سال حج اپنے اصلی وقت پر ہے تو آپ ﷺ نے حج کا عزم فرمایا، یہی وہ ''نسیئ'' کی بدعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام وکفر قرار دیا اور آپ ﷺ نے حج کے خطبے میں یہ اعلان فرمادیا کہ اب مہینوں کی ترتیب اپنی اسی حالت پر آ گئی ہے، جس پر اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر ارشادِ نبوی ﷺ ہوا: ((اِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ، ذُوالْقَعْدَةِ ، ذُوالْحَجَّةِ ، وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادِىٰ وَشَعْبَانَ)) (صحیح البخاری :٤٦٦٢ التفسیر۔ وصحیح مسلم :١٦٧٩ القسامة بروایت ابو بکرۃ ، دیکھئے: مجموع الفتاوی ج٢٥ ص : ١٤٥)

''زمانہ گھوم کر اپنی اُسی حالت پر آ گیا ہے جس حال پر آسمان کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا، سال بارہ مہینے کا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو پے در پے ہیں؛ ذو القعدۃ و ذوالحجہ ومحرم اور رجبِ مضر جو جمادیٰ الآخرۃ اور شعبان کے درمیان ہے۔

''نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی، یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔''

دوسری طرف ماہانہ وسالانہ معالات کو چاند کے حساب سے منسلک کر دیا ہے۔

حج سے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ....﴾

(الحج : ۱۸۹)

'' لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں کی جنتری اور حج کے لیے ہے۔''

اِسی مثال پر دوسرے اعمال کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اسلام میں قمری مہینے ہی اصل بنیاد ہیں، انھیں کے اعتبار سے مسلمانوں کی عبادات اور معاملات کے ماہ وسال کا تعین کیا جائے گا اور چاند کو بنیاد بنا کر شرعی مہینے اور شرعی سال طے کیئے جائیں گے، حتیٰ کہ عُلماء نے اپنے معاملات وغیرہ میں غیر شرعی مہینوں پر اعتماد کو ناجائز قرار دیا ہے اور تاریخ وجنتری میں غیر قوم سے مشابہت کو منع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے چاند کے اعتبار سے ہجری سال ایجاد کیا۔

آیت ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا....﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے علاّمہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی خرید وفروخت، لین دین کی مدّت کی تعیین، زکاۃ کی ادائیگی اور دوسرے تمام احکام میں عربی سال کا اعتبار رکھیں، ان کے لیے رُومی اور عجمی سالوں کا اعتبار جائز نہ ہوگا۔'' [1]

---

[1] تفسير الرازي ج۸ ص۵۵ نیز احكام القرآن للقرطبي ج۸ ص۸۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: راقم سطور کی کتاب: وفاداری یا بیزاری ص: ۳۱۴ تا ۳۱۷۔

شرعی مہینوں کی معرفت کا ذریعہ:

چونکہ مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی معاملات قمری مہینوں سے منسلک ہیں، اس لیے ان کی پہچان اور ان کی ابتدا وانتہا سے متعلق معلومات حاصل کرنا ایک ضروری امر ہے، جس کے لیے شریعت نے بہت ہی آسان طریقہ رکھا ہے۔ لہٰذا ہر جگہ، ہر زمان اور ہر قسم کے لوگ آسانی سے مہینہ کی ابتدا و انتہا کو معلوم کر سکتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ رات و دن کی آمد و رفت کو ہر شخص آسانی سے معلوم کر لیتا ہے، یہ ایک فطری چیز بھی ہے کہ چونکہ تاریخ ہر شخص کی ضرورت ہے، ہر زمانے اور معاشرے کی ضرورت ہے اور جو چیز تمام لوگوں کی ضرورت ہو، ضروری ہے کہ اس کا حصول اور اس کی معرفت بھی آسان ہو۔ بنابریں مہینے کی ابتدا وانتہا کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ نے بہت ہی آسان رکھا ہے، یعنی ۲۹ دن گزرنے کے بعد رؤیتِ ہلال یا تیس کی گنتی کا پورا کر لینا، چنانچہ رمضان سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

’’تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو تو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔‘‘

’’اور رمضان ہی سے متعلق ارشادِ ﷺ نبوی ہے:

((اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا ، فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ .))[1]

’’’جب اسے (یعنی چاند) دیکھو تو روزہ رکھنا شروع کرو اور جب [۲۹ کی گنتی پوری کرنے کے بعد] اسے دیکھو تو افطار کر دو، پھر اگر [۲۹ کی شام یعنی تیسویں شب کو] تمھارے اوپر بدلی چھا جائے تو اس کا اندازہ کرو یعنی تیس کی گنتی پوری کرو۔‘‘

---

[1] صحیح البخاری: ۱۹۰۰ الصوم، صحیح مسلم: ۱۰۸۰ الصیام، بروایت عبد اللہ بِنْ عمر، الفاظ بخاری شریف کے ہیں۔

اس آیت اور حدیث میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے رمضان المبارک کے روزہ -جو اسلام کا ایک رکن ہے- کی ابتدا کے لیے چاند دیکھنے کی شرط لگائی ہے کہ اگر شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند نظر آجائے تو اگلے دن جو رمضان المبارک کا پہلا دن ہوگا ۔روزہ واجب ہوگا، اسی طرح رمضان المبارک کی انتیس تاریخ کی شام کو سورج ڈوبنے کے وقت چاند نظر آجائے تو اگلے دن جو شوال کی پہلی تاریخ ہوگی اس دن روزہ افطار کرنا واجب ہوگا، لیکن اگر کسی وجہ سے انتیس کا چاند نظر نہیں آیا تو اس مہینے کے تیس دن پورے کرنے ہوں گے، مہینوں کی ابتدا وانتہا کے بارے میں یہ شرعی حکم ہے اور اسی پر عمل کرنا واجب ہوگا، کسی حساب دان یا ماہرِ علمِ فلکیات کے قول کی بنیاد پر فیصلہ نہیں ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ ﷺ نبوی ہے:

((اِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ وَالشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا، وَعَقَدَ الْإِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ، وَالشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِي تَمَامَ الثَّلَاثِيْنَ .)) [1]

’’ہم لوگ امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب رکھتے ہیں، مہینہ اتنا ہوتا ہے اور اتنا ہوتا ہے اور اتنا ہوتا ہے -یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر اشارہ فرمایا اور تیسری بار اپنے ایک ہاتھ کے انگوٹھے کو موڑ لیا گویا کہ ۲۹ دن بتائے - پھر فرمایا مہینہ اتنا ہوتا ہے اتنا ہوتا ہے اور اتنا ہوتا ہے یعنی پورے تیس دن۔‘‘

یعنی چاند کے معاملے میں ہم لکھنے پڑھنے اور کسی کتاب وحساب کے محتاج نہیں ہیں، ہمیں اپنے روزے اور عبادات کے معاملہ میں تاروں اور سیاروں کی حرکات جاننے کا مکلّف نہیں بنایا گیا بلکہ ایک ایسی واضح چیز کا حکم دیا گیا ہے، جس کو عالم وجاہل سب برابر جان سکتے

[1] صحیح البخاری : ۱۹۰۳ الصوم ـ صحیح مسلم : ۱۰۸۰ الصوم ـ مسند احمدج ۳ ص ۴۳ بروایت عبداللہ بن عمر۔ یہ الفاظ صحیح مسلم اور مسند احمد کے ہیں ۔

ہیں اور وہ ہے رؤیتِ ہلال کا معاملہ کہ انتیس تاریخ کے بعد آنے والی شام اگر چاند دکھائی دیا تو مہینہ انتیس کا شمار ہوگا ورنہ تیس کی گنتی پوری کی جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ .)) [1]

''چاند دیکھ کر روزہ رکھواور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرلو۔''

ان حدیثوں سے درج ذیل فائدے حاصل ہوئے:

① مسلمانوں کے معاملات میں، خصوصاً عبادات میں از روئے شرع قمری مہینے ہی معتبر ہیں۔

② ابتدائے ماہ اور انتہائے ماہ کی معلومات کا واحد ذریعہ رؤیتِ ہلال ہے، اس بارے میں علمِ فلک اور حسابِ نجوم پر اعتماد جائز نہ ہوگا۔

③ شرعی مہینے کبھی انتیس دن کے ہوتے ہیں اور کبھی تیس دن کے، نہ اس سے کم ہوں گے اور نہ اس سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلشَّهْرُ يَكُوْنُ تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ وَيَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ .)) [2]

---

[1] صحیح البخاری: ۱۹۰۹ الصوم ـ صحیح مسلم : ۱۰۸۱ الصیام، بروایت ابوھریرۃ ، اسی کے قریب قریب الفاظ میں یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اور معجم الطبرانی الکبیر میں حضرت براء بن عازب سے بھی مروی ہے دیکھئے: کنز العمال ج۸ / ص۴۸۹۔

[2] سنن النسائی : ۲۱۳۸ الصیام ج ۳ص ۲۹ بروایت ابو ھریرۃ ، اس مفہوم کی متعدد حدیثیں کتبِ ستہ میں موجود ہیں، مثال کے طور پر دیکھئے: صحیح مسلم ج۳/ ص ۱۴۸ ، ۱۴۹ .

''کبھی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے سو جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو افطار کرو پھر اگر تم پر بادل چھا جائے تو [تیس کی] گنتی پوری کرو۔'' [1]

④ شریعت نے ابتدائے ماہ اور انتہائے ماہ کے لیے رویتِ ہلال کو اس لیے شرط قرار دیا ہے کہ:

الف:...... یہ عمل بہت ہی آسان اور عام لوگوں کے حالات کے مناسب ہے۔

ب:...... یہ حساب یقینی ہے اور اس میں خطا کا امکان نہیں ہے۔

ج:...... اس کے علاوہ علمِ فلکیات کے حساب وتنجیم کا طریقہ مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں خطا کا امکان موجود ہے، اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ رویتِ ہلال کے بارے میں اس امت کو جو اُمّی کہا گیا ہے وہ بطور مدح ہے۔ [2]

⑤ اگر علمِ فلک ونجوم کا حساب یہ کہتا ہے کہ چاند ہو گیا لیکن آنکھوں سے چاند نہ دیکھا جا سکا تو حساب کا اعتبار نہ ہو گا اور نہ ہی علمِ فلکیات کے حساب کی بنیاد پر روزے اور عید کے ایام کا فیصلہ کیا جائے گا، اسی طرح اگر حساب یہ کہتا ہے کہ چاند نہیں ہو سکتا اور لوگوں نے عملاً چاند دیکھ لیا [بشرطیکہ دیکھنے والے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہوں اور ان کی شہادت پر بھروسہ کیا جا سکے] تو اعتبار چاند دیکھنے کا ہو گا نہ کہ علمِ فلکیات کے حساب کا،

---

[1] علمائے فلک کا کہنا ہے کہ قمری سال کے بارہ مہینے کبھی بھی نہ تو سب کے سب انتیس دن کے ہوں گے اور نہ ہی سب کے سب تیس دن کے ہوں گے بلکہ کسی سال چھ مہینے انتیس دن کے اور چھ مہینے تیس دن کے ہوں گے اور کسی سال پانچ مہینے انتیس دن کے ہوں گے، اور سات مہینے تیس دن کے، نہ تو تیس دن والے مہینے سات سے زیادہ ہوں گے اور نہ ہی انتیس دن والے مہینے پانچ ماہ سے کم ہوں گے۔

(دیکھئے: العلم المنشور للسبکی ص ٢٤)

[2] مجموع فتاوی ج ٢٥ ص ١٩٩، ٢٠٠.

یہ ایسا مسئلہ ہے کہ علمائے امت کا اس پر اجماع ہے۔ [1]

⑥ صرف روزہ اور عید ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے تمام معاملات جیسے زکاۃ، عورتوں کی عدت، ایلاء کی مدت اور قرض کی مدت وغیرہ تمام امور رؤیتِ ہلال کے مطابق اور شرعی مہینوں کے مطابق طے کیئے جائیں گے۔ [2]

شرعی مہینوں کی ابتدا اور انتہا:

پچھلی سطور سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی شرعی مہینہ انتیس دن سے کم اور تیس دن سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور اُن کی معرفت کا واحد ذریعہ رؤیتِ ہلال ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شرعی مہینوں کی ابتدا وانتہا رؤیتِ ہلال یا پھر تیس دن پورا ہونے پر موقوف ہے، یعنی چاند نظر آتے ہی پچھلا مہینہ رخصت ہوا اور نیا مہینہ شروع ہوگیا، لیکن واضح رہے کہ اس سلسلے میں اس رؤیت کا اعتبار ہے جو غروب آفتاب کے بعد یا اس کے بالکل متصل نظر آئے، اس اَمر میں تمام علماء کا اتفاق ہے، لہٰذا اگر کبھی آفتاب کے غروب سے قبل چاند نظر آجائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، مثال کے طور پر اگر کبھی تیس رمضان کو غروب آفتاب سے قبل چاند نظر آجائے تو غروبِ آفتاب سے پہلے افطار کرنا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی ماہِ شوال کی ابتدا تسلیم کی جائیگی، کیونکہ شریعت میں اس رؤیت کا اعتبار ہے جو سورج ڈوبنے کے بعد ہو۔ [3]

یہیں سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث [صُوْمُوْا لِرُوْيَتِهِ وَاَفْطِرُوْا لِرُوْيَتِهِ] اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس شام کو چاند دکھائی دے، اس کے بعد والے

---

[1] مجموع فتاوی ابن تیمیه ج۲۵ ص ۱۳۲ ، العلم المنشور للسبکی ص ۲۰۔ مرعاة المفاتیح ج٦ ص ٤٣٥۔ فقه النوازل ج۳ ص ۱۹۹ ، ۲۰۰ ۔ سعودی عرب کے مقتدر علماء کی کمیٹی نے بھی متفقہ طور پر یہی قرارداد پاس کی ہے، دیکھئے: ابحاث هيئة كبار العلماء ج۳ ص ۳٤ .

[2] مجموع فتاوی ج ۲۵ ص ۱۳۳ ، ۱۳٤ و ۱٤۳ ۔ فتاوی السبکی ج۱ ص ۲۰۷ .

[3] دیکھئے: فتح الباری ج ٤ ص ۱۲۱ ۔ تفصیل کے لیے علامہ ابن عابدین کا رسالة تنبيه الغافل والوسنان اور علامہ عبدالحئ لکھنوی کا رساله الفلك الدوار في رؤية الهلال بالنهار۔

دن کو روزہ رکھا جائے گا یا اس کے بعد والے دن کو افطار کیا جائے گا۔ [1]

شرعی دن و ماہ اور علمائے ہیئت کے دن و ماہ میں فرق:

واضح رہے کہ ایک شرعی مہینہ مکمل انتیس دن یا تیس دن کا ہوتا ہے اور ہر مہینے کا ایک دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے، علمائے ہیئت کے برعکس کہ ان کے نزدیک جس وقت سے چاند اپنے [محاق [2]] یا نقطۂ اقتران سے دور ہونا شروع ہوتا ہے تو نیا مہینہ شروع ہو جاتا ہے، گویا ان کے یہاں ابتدائے ماہ کے لیے چاند کی ولادت کا اعتبار ہے خواہ وہ لوگوں کو افقِ مغرب پر نظر آئے یا نظر نہ آئے، کیونکہ اس وقت چاند انتہائی باریک ہوتا ہے۔

علمائے فلک لکھتے ہیں کہ جب تک التقائے نیرین یعنی چاند کا اپنے نقطۂ اقتران سے دور ہونا شروع ہوئے کم از کم تیس گھنٹے نہ گزر جائیں، افقِ مغرب پر ہلالِ نو کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہوتا [3] کیونکہ یہ صورت چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت پیش آ سکتی ہے، بنابریں اہلِ فلک کے نزدیک ماہِ نو کی ابتدا شرعی ماہِ نو کی ابتدا سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ فلکی مہینہ کی ابتدا کبھی بارہ بجے رات کو ہوتی ہے اور کبھی بارہ بجے دن کو بلکہ رات دن کے کسی بھی حصے سے اس کی ابتدا ہوسکتی ہے، اہلِ فلک کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے کہ چاند افقِ مغرب پر نظر آئے، اسی لیے علمائے ہیئت کا مہینہ شرعی مہینہ سے چوبیس گھنٹے بلکہ اس سے بھی قبل شروع ہوجاتا ہے، مثال کے طور پر اگر کسی مہینے کی انتیس تاریخ کو عصر کے قریب چاند اپنے محاق میں داخل ہوا تو اہل فلک کے نزدیک نئے ماہ کی ابتدا ہوگئی، جبکہ شرعی ماہ کی ابتدا میں ابھی چوبیس گھنٹوں سے زیادہ بلکہ بعض ممالک میں اڑتالیس گھنٹوں سے زیادہ وقت باقی ہوگا، اس

---

[1] فتح الباری ج ٤ ص ١٣١ ، مرعاۃ المفاتیح ج ٦ ص ٤٢٤ .

[2] محاق یا نقطہ اقتران علمائے ہیئت کی اصطلاح میں اس وقت کو کہتے ہیں جب چاند، سورج اور زمین کے درمیان ایک ہی خط مستقیم پر واقع ہوجاتا ہے۔

[3] مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : موجود نظریہ کے مطابق یہ اَمر مسلّم ہے۔ سورج، چاند، اور زمیں ایک قمری ماہ میں دوبار ایک سیدھ میں آجاتے ہیں اور یہ واقعات اس وقت ہوتے ہیں جب چاند زمین ⇦

طرح اہل ہیئت کے مہینے اور شرعی مہینے کے درمیان کا فاصلہ ایک دن بلکہ اس سے بھی زیادہ کا ہوسکتا ہے، اسی طرح اہلِ ہیئت کے دنوں کی تعداد اور شرعی مہینے کے دنوں کی تعداد میں بھی واضح فرق ہوتا ہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ شرعی مہینہ یا تو انتیس دن کا ہوگا یا تیس دن کا یعنی نہ تو انتیس دن سے کم ہوسکتا ہے اور نہ تیس دن سے زیادہ جبکہ اہلِ ہیئت کے نزدیک ہر ماہ ۲۹ دن بارہ گھنٹے، چوالیس منٹ اور کچھ سیکنڈ کا ہوتا ہے۔

⇦⇦ کے گرد گردش کرتا ہوا زمین کے مدار کو قطع کرتے ہوئے گزرتا ہے، جب زمین سورج اور چاند کے درمیان واقع ہو تو یہ چودھویں رات کا موقعہ ہوتا ہے اور جب چاند سورج اور زمین کے درمیان واقع ہوتا ہے تو عموماً ۲۸ ویں رات -قمری ماہ- کا موقعہ ہوتا ہے، تاہم ۲۷ اور ۲۹ قمری تاریخ کو بھی ہوسکتا ہے، چاند گرہن جب کبھی لگتا ہے تو پہلی صورت یا چودھویں رات کو لگتا ہے اور سورج گرہن دوسری صورت میں لگتا ہے لیکن یہ موقع کبھی کبھار پیش آتا ہے جس کی وجوہ دوسری ہیں۔

نیا چاند: ......دوسری صورت میں جب چاند اہلِ زمین سے مکمل طور پر غائب ہوجاتا ہے تو قمری حساب میں اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ پچھلا قمری مہینہ ختم ہوگیا، اس موقع کو اجتماع نیرین یا قِران اور انگریزی میں CONJUNCTION کہتے ہیں، جب چاند مکمل طور پر غائب ہوجاتا ہے تو یہ محض ایک لمحہ کا وقت ہوتا ہے اس کے بعد تقویم -کیلنڈر- کے حساب سے نیا چاند شروع ہوجاتا ہے، ایک قِران سے دوسرے قِران تک کا درمیانی وقفہ اوسطاً ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ہے، یہ وقفہ کسی ماہ پانچ چھ گھنٹے تک بڑھ بھی سکتا ہے، اسی طرح کسی ماہ اتنا ہی کم بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا اسکا کوئی معین وقت نہیں، یہ صبح ۹ بجے بھی ہوسکتا ہے اور رات کے ۱۱ بجے بھی مگر یہ ضروری نہیں کہ جس دن یہ قِران واقع ہوا ہے، اسی رات چاند نظر آجائے، وجہ یہ ہے کہ ایک تو چاند انتہائی باریک ہوتا ہے، دوسرے مغربی افق پر شفق کی سرخی جو تقریباً پون گھنٹہ تک اثر انداز رہتی ہے، ایسے چاند کے نظر آنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک دن یا پورے چوبیس گھنٹے کی عمر کا چاند کتنا پتلا ہوتا ہے، اسکا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ آپ ایک خربوزہ لیں، اس پر قاشوں کی صرف آٹھ دس لکیریں ہوتی ہیں، اگر آپ اس خربوزہ کو اسی رخ پر ۳۰ برابر حصوں میں کاٹ دیں تو ایک قاش کی جتنی موٹائی درمیان سے ہوگی وہی ایک دن کے چاند کی موٹائی ہے لیکن لمبائی پورا نصف دائرہ نہیں بلکہ بہت کم ہوگی۔ (الشمس والقمر بحسبان مختصراً، مجله الدعوة جلد ١٤ شمار ١٢ ص ٤٠]

تفصیل کے لیے دیکھئے: ابحاث هيئة كبار العلماء ج ٣ ص ١٠ اور اس کے بعد اہل ذوق کے لیے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء کتاب "الشمس والقمر بحسبان" بھی بہت مفید ہے۔

فصل : ١

رؤیت ہلال کی اہمیت

شریعت کی نظر میں رؤیتِ ہلال کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ مسلمانوں کی عبادات ومعاملات کا دار ومدار قمری مہینوں پر ہے اور قمری مہینوں کی صحیح معرفت رؤیتِ ہلال کا اہتمام کیئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''الہلال'' میں رؤیتِ ہلال اور اس کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((المقصود ان التسعة والعشرين يجب عددها واعتبارها بكل حال فى كل وقت .))❶

''مقصد یہ ہے کہ انتیس تاریخ کو شمار کرنا اور اس کا حساب ہر وقت اور ہر حال میں واجب ہے۔''

خصوصاً محرم، شعبان ورمضان اور ذی الحجہ کے مہینوں کا چاند اور اس کا اہتمام کچھ زیادہ ہی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ان مہینوں سے اسلام کے بعض ارکان منسلک ہیں، مشہور ہندوستانی عالم علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((مسألة : يجب على الناس كفاية ان يلتمسوا هلال رمضان يوم التاسع والعشرين من شعبان لأنه قد يكون ناقصا نص عليه الشرنبلالى فى مراقى الفلاح .))❷

---

❶ مجموع فتاوى ج ٢٥ ص١٥٣ ، اہل ذوق طلبہ سے گذارش ہے کہ شیخ الاسلام کا رسالۃ الہلال ضرور پڑھیں۔

❷ القول المنشور فى هلال خير الشهور ص١٤٨ نیز دیکھئے: مراقى الفلاح ص١٢٦ ، شرح فتح القدير ج٢ ص٣١٣ ۔ صرف یہی نہیں بلکہ جمہور فقہاء نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے، ⇦⇦

''لوگوں پر فرضِ کفایہ ہے کہ ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں کیونکہ کبھی کبھار مہینہ ناقص یعنی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے علاّمہ شرنبلالی وغیرہ نے مراقی الفلاح میں اس کی تصریح کی ہے۔''

رؤیتِ ہلال؛ احادیث کی روشنی میں:

رؤیتِ ہلال کی اُہمیت آپ ﷺ کے درجِ ذیل فرمان سے بھی واضح ہے۔

۱: ((اَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ .)) ❶

''شعبان کے چاند کو رمضان کے لیے اچھی طرح شمار کرو اور یاد رکھو۔''

۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا یہ معمول نقل فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ لِغَيْرِهٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْماً ثُمَّ صَامَ .)) ❷

''اللہ کے رسول ﷺ شعبان کے چاند یا دنوں کو یاد رکھنے میں جس قدر اہتمام سے کام لیتے تھے، اس قدر کسی دوسرے ماہ کے دنوں کو یاد رکھنے کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے لیکن اگر [انتیسویں شعبان کی شام کو] بدلی چھا جاتی تو تیس کی گنتی پوری کرتے، اس کے بعد روزہ رکھتے۔''

یعنی ماہ شعبان کے دنوں کو شمار کرتے اور انھیں یاد رکھنے میں اہتمام سے کام لیتے تاکہ

⇦⇦ دیکھئے: الفقه على المذاهب الأربعة ج۱ ص ۵۵۱، بحوث فقهية معاصرة للدكتور الشريف ص ۲۲۳.

❶ سنن الترمذی: ۶۸۷ الصوم، مستدرك الحاكم ج ۱ ص ۴۲۵، سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۱۶۳، بروایتِ ابوہریرہ دیکھئے: سلسلة الآحاديث الصحيحه: ۵۶۵۔

❷ سنن ابو داود: ۲۳۲۵ الصوم، صحیح ابن خزیمه: ۱۹۱۰ ج۳ ص ۲۰۳، صحیح ابن حبان [الموارد: ۸۶۹] دیکھئے: صحیح سنن أبی داود ج۳ ص ۵۰.

رمضان کے روزے اپنی صحیح تاریخوں میں رکھے جاسکیں، ایسا نہ ہو کہ شعبان کے دنوں کے شمار میں بھول ہو جائے تو رمضان کے روزے خطرے میں پڑ جائیں، واللہ أعلم۔ ❶

مذکورہ حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ:

① رؤیتِ ہلال کے اہتمام کا حکم ہے، خاص کر شعبان و رمضان کا۔

② شعبان کے چاند اور دنوں کے اہتمام میں شدّت سے کام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے مہینوں کے چاند کا بھی عمومی اہتمام کرنا چاہیے۔

③ ہر ماہ کے چاند اوران کے اہتمام کا ثبوت درج ذیل حدیثوں سے بھی ہوتا ہے:

الف:...... اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایام بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کے روزوں کی ترغیب دلاتے تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((اَوْصَانِي خَلِيْلَي [ﷺ] بِثَـلاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ حَتّٰى أَمُوْتَ ـ صُوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَلَاةِ اَلضُّحٰى وَنَوْمٍ عَلَى الْوِتْرِ .)) ❷

''میرے خلیل [ﷺ] نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی ہے جنہیں میں مرتے دم تک نہیں چھوڑ سکتا، ہر مہینہ کے تین روزہ، چاشت کی نماز اور سونے سے قبل وتر کی نماز پڑھنا۔''

یہی وصیت آپ ﷺ نے حضرت ابو الدرداء ❸ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما ❹ کو بھی فرمائی تھی۔

---

❶ المرعاة ج٦ ص٤٥١ .

❷ صحيح البخاری :١٩٨١ الصوم ، باب صيام البيض ثلاث عشرة أربع عشرة وخمس عشرة۔صحيح مسلم :٧٢٠كتاب صلاة التطوع :باب نمبر١٠ .

❸ صحيح مسلم :٧٢٢، صلاة التطوع ، سنن أبی داود:١٤٣٣ الصلاة دیکھئے: صحيح الترغيب والترهيب ج ١ ص٥٩٨ .

❹ مسند أحمد : ج ٥ ص١٧٣ ـ سنن النسائی : ٢٤٠٦ الصوم ـ صحيح ابن خزيمه ٣ ص١٤٤ .

صرف یہی چند صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو آپ کا یہ ترغیبی حکم تھا۔

حضرت قدامہ بن ملحان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِصِيَامِ أَيَّامِ الْبِيْضِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُنَّ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ .)) ❶

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ایامِ بیض کے روزے رکھیں یعنی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اِن دنوں کا روزہ رکھنا گویا پورے سال کا روزہ رکھنا ہے۔''

اب ظاہر ہے کہ اگر ہر مہینے کے چاند اور اس کی رؤیت کا اہتمام نہ کیا گیا تو ان تاریخوں کی صحیح تعیین کس طرح ممکن ہے؟ اسی لیے اللہ کے وہ بندے جو اس وصیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا رہتے ہیں وہ ہر ماہ رویتِ ہلال کا اہتمام بھی کرتے ہیں جیسا کہ راقم سطور نے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے۔

ب: ...... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ماہِ نو کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ .)) ❷

''اے اللہ تعالیٰ اس چاند کو ہمارے اوپر امن وایمان اور سلامتی واسلام کے ساتھ طلوع فرما، اے چاند ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے۔''

دعاء کے الفاظ اور عمومی طور پر حدیث کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤیتِ

---

❶ سنن ابو داود: ٢٤٤٩ الصوم، سنن النسائی: ٢٤٣٢ الصوم، سنن ابن ماجه: ١٧٠٧ الصيام، بروايت قدامة بن ملحان دیکھئے: صحیح الترغیب ج١ ص٦٠٣ .

❷ مسند احمد ج١ ص١٦٢ ـ سنن الترمذی: ٣٤٥١ الدعوات ـ مستدرك الحاكم ج٤ ص٢٨٥ دیکھئے: الصحيحة: ١٨١٦ .

ہلال کا سخت اہتمام فرماتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رویتِ ہلال ایک ایسا اہم عمل ہے کہ اس کا اہتمام کرنا اور اس کے دیکھنے کے بعد دعاء کا پڑھنا ایک شرعی عمل اور تقرّب ِ الیٰ اللہ کا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

ج:...... مسلمانوں کی زندگی کے بہت سے مسائل قمری مہینوں سے اس طرح منسلک ہیں کہ رؤیتِ ہلال کا اہتمام کیئے بغیر ان کی صحیح ادائیگی مشکل ہے۔ مثلاً عدتِ طلاق، عدتِ وفات، نذر کے روزے اور کفّارے کے روزے وغیرہ جیسے واجبی امور، نیز عرفہ کا روزہ، عاشوراء کا روزہ ،اسی طرح کے اور نفلی روزے، عیدالاضحیٰ اور ایامِ تشریق کی صحیح تعیین، جن دنوں کا روزہ رکھنا حرام ہے ان کی معلومات، یہ تمام امور اور ان کے علاوہ مسلمانوں کے باہمی لین دین کے مسائل بغیر رؤیتِ ہلال کے اہتمام کے ممکن ہی نہیں ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ رؤیتِ ہلال کا اہتمام کیا جائے، لیکن بدقسمتی سے مسلمان دوسرے دینی امور کی طرح اس بارے میں بھی کوتاہی کا شکار ہیں۔ واللّٰہ المستعان .

کیا رؤیتِ ہلال کے لیے جدید آلات استعمال کیئے جاسکتے ہیں:

عصرِ حاضر میں ہر چیز کے لیے کچھ آلے اور مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں جن سے لوگوں کے کاموں میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ آلات و مشینیں کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلتیں، بلکہ اس چیز کے حصول میں آسانی یا اس میں پیدا شدہ خلل کی اصلاح کردیتی ہیں وغیرہ، بعینہٖ اِسی طرح بعض آلے ایسے ایجاد ہوئے ہیں، جو بعض موجود اشیاء کو انسان کے سامنے واضح اور صاف کرکے پیش کردیتے ہیں جبکہ اس چیز کے وجود میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتے جیسے اگر کسی انسان کی نظر کمزور ہے تو اس کے لیے چشمہ ہے جو نظر کی کمی پورا کردیتا ہے، انھیں آلات میں سے خوردبین اور دوربین آلے بھی۔ ہیں ان کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے جسم کو بڑا کرکے ظاہر کرتے ہیں یا اسے دیکھنے والے کی نظر کے قریب کردیتے ہیں تاکہ انسان کو اس چیز کے مشاہدے میں آسانی ہو، یہ نہیں ہوتا کہ یہ آلے کسی غیر موجود چیز کا وجود ظاہر کردیں یا اس کی حقیقت میں کوئی تبدیلی کردیں۔

اس حقیقت کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رؤیتِ ہلال کے لیے دوربین وغیرہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ خاص کر اس زمانے میں جبکہ جہاں ایک طرف عمومی طور پر لوگ نظر کی کمزوری کا شکار ہیں تو دوسری طرف بڑے شہروں کے اردگرد فضا گرد آلود اور کارخانوں اور گاڑیوں کے دھووں سے پر رہتی ہے۔ علامہ قصیم شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں رؤیتِ ہلال کے لیے دوربین وغیرہ کے استعمال کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''مہینے کے دخول کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کریں اور چاہیے کہ اس کام کے لیے وہ لوگ تیار کیئے جائیں جن کے دین وایمان اور قوتِ نظر پر اعتماد کیا جاسکے پھر اگر یہ لوگ چاند دیکھ لیں تو اس رؤیت پر عمل کرنا واجب ہوگا یعنی اگر رمضان کا چاند ہے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا اور اگر شوال کا چاند ہے تو افطار کرنا واجب ہوگا، البتہ جہاں تک دوربین کے استعمال کا تعلق ہے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اس کا استعمال واجب بھی نہیں ہے کیونکہ حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ محض رویت پر اعتماد ہونا چاہئے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر، لیکن اگر کوئی قابلِ اعتماد آدمی دوربین کے ذریعے چاند دیکھ لیتا ہے تو اس کی رؤیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔............خلاصہ یہ کہ جب کبھی کسی بھی ذریعے سے رؤیت ثابت ہوگی تو اس رؤیت کے مطابق عمل کیا جائے گا ،جس کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانِ عام ہے:

((اِذَا رِأَیْتُمُوْہُ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَأَفْطِرُوْا .))

''جب چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھو تو افطار کرو۔'' [1]

مملکتِ سعودی عرب کی دائمی فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتوی دیا ہے۔ [2]

شرعی مہینوں کے اثبات کے لیے حساب اور علمِ فلک پر اعتماد:

یہ موضوع گزر چکا ہے کہ قمری اور شرعی مہینوں کی معرفت کا ذریعہ اسلام نے صرف

[1] مجموع رسائل وفتاویٰ الشیخ ابن عثیمین ج۱۹ ص ۳۷، ۳۶ .

[2] فتاوی اللجنة الدائمة ج ۱۰ ص ۹۹ .

رؤیتِ ہلال مقرر کیا ہے، دلیل کے طور پر بعض حدیثیں نقل کی جا چکی ہیں اور اُسی مقام پر یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا کے بارے میں صرف اور صرف رؤیت ہلال کا اعتبار ہوگا۔

سوال......اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ عصرِ حاضر میں جب کہ علمِ سائنس نے یہ تحدید کر دی ہے کہ اتنے بج کر اتنے منٹ پر چاند افقِ مغرب پر نظر آئے گا [جیسا کہ ان حضرات کا دعویٰ ہے] تو دیگر علمی حقائق کی طرح اسے بھی قبول کیوں نہ کیا جائے اور رؤیتِ ہلال کے بدلے اسی پر اعتماد کر کے اپنے روزے اور عید کا معاملہ کیوں نہ حل کیا جائے؟

جواب......صرف یہ ایک رائے ہی نہیں بلکہ عصرِ حاضر میں اس رائے پر کافی زور دیا جا رہا ہے اور وحدتِ رؤیت کا مسئلہ چھیڑتے ہوئے اس پر بھی زور دیا جاتا ہے، اہلِ علم کے درمیان معروف شخصیات میں سے علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ [1] نے اس پر کافی زور دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں فقہی مسائل پر اچھی دسترس رکھنے والے شام کے حنفی عالم شیخ مصطفیٰ الزرقاء رحمہ اللہ [2] کی بھی رائے یہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلے کو بھی قرآن وحدیث اور علمائے سلف وخلف کے اقوال کی روشنی میں تفصیل اور دلیل کے ساتھ دیکھ لیا جائے۔

تاریخی پسِ منظر:

علمائے امت میں سے متقدمین کے درمیان یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ رہا ہے، البتہ متأخرین میں سے بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ شرعی اور تاریخی اعتبار سے اس کی بنیاد بھی تلاش کر لی ہے، پھر اسے حسنِ اتفاق کہیے یا سوءِ اتفاق کہ انھیں اپنے مطلب کے بعض دلائل بھی مل گئے، اس لیے ان کے دلائل پر تحقیقی نظر ڈالنے سے قبل ضروری

---

[1] علامہ مرحوم نے اس سلسلے میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام ہے "اوائل الشهور العربية، هل يجوز شرعاً اثباتها بالحساب الفلكي."

[2] دیکھئے موصوف کا طویل مقالہ مجلة مجمع الفقه الاسلامی میں عدد ثانی جزء ثانی، ص ۹۳۲.

ہے کہ اس مسئلے کی تاریخی حیثیت پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، لہٰذا اس موضوع کو ہم دو بحثوں میں تقسیم کرتے ہیں:

بحثِ اول:......مشہور اہلِ علم جن کی طرف اس مسئلے کی نسبت کی جاتی ہے۔

بحثِ دوم:......ان کے دلائل کا جائزہ۔

بحثِ اول:

اس مسئلے میں تالیف شدہ کتابوں پر نظر رکھنے کے بعد مشاہیر اہلِ علم میں سے درجِ ذیل شخصیتوں کے نام سامنے آتے ہیں:

① مشہور تابعی مطرّف بن عبداللہ بن الشخیر ② الامام محمد بن ادریس الشافعی۔

③ فقیہ محمد بن مقاتل حنفی الرازی۔ ④ ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج الشافعی

⑤ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری۔ ⑥ تقی الدین علي بن عبدالکافی السبکی۔

⑦ علامہ احمد بن محمد شاکر۔ رحمہم اللہ جمیعاً

ان شخصیات کے علاوہ بعض اور بھی نام پیش کیۓ جاتے ہیں، لیکن چونکہ عمومی طور پر یا اپنے اپنے میدان میں مذکورہ شخصیات کا ایک اثر ہے اس لیے انھیں ناموں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مذکورہ ناموں کی جو فہرست پیش کی گئی ہے، اس میں حقیقت کہاں تک ہے؟ اس کا اندازہ درجِ ذیل سطور سے بآسانی ہوسکتا ہے:

(۱) مطرّف بن عبداللہ بن الشخیر رحمہ اللہ [1]:

حضرت مطرّف رحمہ اللہ کا نام حافظ ابن عبدالبر نے التمھید اور الاستذکار میں،

---

[1] مطرّف بن عبد اللہ الشخیر رحمہ اللہ کبار تابعین میں ان کا شمار ہے۔ مشہور صحابی عبد اللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، امام ذہبی لکھتے ہیں: (الامام القدوة الحجة) نیز صاحبِ ورع، مستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ ۹۵ھ میں انتقال ہوا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقہ عابد فاضل، کتبِ ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ج ٤ ص ١٨٧ وبعدھا، تقریب التھذیب ص ٩٤٨.

حافظ العراقی نے طرح التثریب میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لیا ہے اور ان کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ اگر انتیس کی شام مطلع ابر آلود رہے تو علمِ حساب اور منازلِ قمر پر اعتماد کرکے روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ ❶

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ جن عُلماء نے بھی اس قول کی نسبت مطرّف بن عبد اللہ کی طرف کی ہے ان سب کا مرجع حافظ ابن عبد البر ہیں، اور حافظ ابن عبد البر کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کے بعد یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقع میں بھی مطرّف بن عبد اللہ کی طرف یہ نسبت صحیح ہو۔

چنانچہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ اس سلسلے میں بحث کرتے ہوئے الاستذکار میں لکھتے ہیں:

"قيل انه مطرّف بن عبد اللّٰه بن الشخير واللّٰه أعلم." ❷

''کہا جاتا ہے کہ وہ مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر ہیں، واللہ اعلم۔''

اور التمهيد میں اس موضوع پر ایک لمبی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهو مذهب تركه العلماء قديماً وحديثاً للأحاديث الثابتة عن النبي ﷺ: [صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَتِمُّوْا ثَلَاثِيْنَ] ولم يتعلق احد من فقهاء المسلمين باعتبار المنازل فى ذلك انما هو شيء روى عن مطرّف بن عبد الله بن الشخير وليس بصحيح عنه والله اعلم ولو صح ما وجب اتباعه لشذوذه ولمخالفة الحجة له." ❸

❶ التمهيد ج ١٤ ص ٣٥٢، الاستذكار ج ١٠ ص ١٨، فتح الباری ج ٤ ص ١٢٢، طرح التثريب ج ٤ ص ١١٢.
❷ الاستذكار ج ١٠ ص ١٨.
❸ التمهيد ج ١٤ ص ٣٥٢.

’’یہ ایسا مذہب ہے [یعنی مطلع کے اَبرآلود ہونے کی صورت میں منازلِ قمر کے حساب پر اعتماد] کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت شدہ احادیث کی وجہ سے اگلے پچھلے تمام علماء نے اس کو ترک کردیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو پھر اگر تمھارے اوپر بادل چھا جائیں تو تیس کی گنتی پوری کرو۔‘‘

مسلمان فقہاء میں سے کسی نے بھی رؤیتِ ہلال کے بارے میں منازلِ قمر کو بنیاد نہیں بنایا۔ اِس چیز کی نسبت مطرّف بن الشخیر کی طرف کی جاتی ہے، ویسے تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن اس قول کی نسبت مطرّف کی طرف صحیح نہیں ہے اور اگر نسبت صحیح ثابت بھی ہو جائے تب بھی دلیل کی مخالفت اور قولِ شاذ ہونے کی وجہ سے اس پر عمل واجب نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ [1]

حافظ ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ کی مذکورہ عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قمری مہینوں کی ابتدا و انتہا کی بنیاد حساب و منازلِ قمر پر رکھنے کا مسئلہ حضرت مطرّف رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا دو اعتبار سے صحیح نہیں ہے:

اولاً:...... اس قول کی نسبت حضرت مطرّف کی طرف صحیح نہیں ہے، یہیں سے ان مؤلفین کی غلطی یا کوتاہی کا اندازہ ہو جاتا ہے، جو اس قول کی نسبت حضرت مطرف کی طرف بصیغۂ جزم ویقین کرتے ہیں۔

ثانیاً:...... اگر اس قول کی نسبت حضرت مطرّف کی طرف صحیح مان بھی لی جائے تو منازلِ قمر پر اعتماد صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے، وہ اس وقت جب مطلع ابر آلود ہو اور ماہرینِ علمِ فلک یہ یقین دہانی کرائیں کہ اگر اَبر نہ ہوتا تو رؤیت کا معاملہ یقینی تھا۔

(۲) امام محمد ادریس الشافعی رحمہ اللہ:

اس سلسلے کی دوسری اہم شخصیت امام شافعی کی ہے چنانچہ ان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ

[1] فتح الباری ج ٤ ص ١٥٧ طبعه دار السلام.

جو شخص منازلِ قمر اور تاروں کے ذریعے چاند کے طلوع وغروب کا علم جانتا ہے اور وہ اپنے علم کے ذریعے یہ جان لے کہ آج چاند ضرور نکلے گا، لیکن چاند کے ظاہر ہونے کے وقت مطلع پر بادل چھا گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ کی نیت کرلے، یہ روزہ اس کے لیے کافی ہوگا، یعنی اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ ❶ یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

اولاً: ...... یہ قول نہ تو امام شافعی رحمہ اللہ کی کسی کتاب ❷ میں موجود ہے، نہ ہی کسی معتبر شاگرد نے آپ سے نقل کیا ہے اور نہ امام رحمہ اللہ کے منہج سے مطابقت رکھتا ہے۔ خاص کر اگر کسی شخص نے امام موصوف کی کتاب "الرسالة" کا مطالعہ کیا ہے تو وہ یہ بات یقینی طور پر کہہ دے گا کہ یہ امام موصوف کا قول نہیں ہے۔ مزید برآں متعدد کبار آئمہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف اس نسبت کو غلط قرار دیا ہے۔ جیسے امام ابن عبد البر، امام ابن تیمیہ، حافظ زین الدین عراقی اور علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہم اللہ جمیعاً۔ ❸

ثانیاً: ...... وہی بات جو حضرت مطرّف رحمہ اللہ کے بارے میں کہی گئی کہ یہ اجازت صرف اسی شخص کے لیے ہے، جو اِس فن کا ماہر ہو، اور صرف اسی صورت میں جبکہ مطلع ابر آلود ہوا اور بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند کا نظر آنا ممکن نہ ہو۔

(۳) الفقیہ محمد بن مقاتل الرازی ❹:

کتبِ فقہ میں آتا ہے کہ محمد بن مقاتل رازی کا مذہب تھا کہ اگر متعدد ماہرینِ فلک

❶ التمهيد ج ١٤ ص ٣٥٢، ٣٥٣.

❷ مثلاً: الأم، احكام القرآن، المسند، تاويل مختلف الحديث وغيره.

❸ التمهيد ج ١٤ ص ٣٥٣، مجموع الفتاوىٰ ج ٢٥ ص ١٨٢، طرح التثريب ج ٤ ص ١١٢، عارضة الاحوذي ج ٣ ص ٣٠٧ وغيره.

❹ امام محمد بن الحسن الشیبانی کے شاگرد ہیں، امام وکیع وغیرہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ علمائے حدیث نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ فقہ میں ان کا ایک مقام تھا، دیکھئے: الجواهر المضيئة ج ٣ ص ٣٧٢، ميزان الاعتدال ج ٤ ص ٤٧، تقريب التهذيب ص ٨٩٨، كشف الاستار عن رجال معاني الآثار ص ٩٦.

اس بات کی تائید کر دیتے کہ آج رؤیتِ ہلال یقینی ہے، تو ان پر اعتماد کر لیتے تھے، لیکن اولاً تو ان کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث وفقہ میں وہ اس مقام پر فائز نہیں کہ ان کی مخالفت سے اجماعِ امت پر اثر پڑے، ثانیاً خود متعدد علمائے احناف نے ان کی رائے کی تردید کی ہے جیسے امام سرخسی وغیرہ۔ [1]

(۴) ابو العباس احمد بن سریج الشافعی [2] :

جن علماء کی طرف اس قول کی نسبت صحیح مانی جا سکتی ہے ان میں سے سب سے اہم اور قدیم شخصیت امام ابن سریج رحمہ اللہ کی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے ان کا نام بڑے زوردار انداز سے لیا ہے۔ [3] لیکن چند امور قابلِ ملاحظہ ہیں:

(۱)......ابن سریج رحمہ اللہ کی کوئی تالیف اس وقت ہمارے سامنے موجود نہیں ہے، فقہ کی کتابوں میں ان کا ایک مجمل قول نقل کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی تفسیر اور اس سے مسائل اخذ کرنے میں فقہائے شافعیہ میں شدید اختلاف ہے، امام نووی، حافظ ابن حجر اور حافظ زین الدین عراقی رحمہم اللہ نے آئمۂ شافعیہ کے کل پانچ قول نقل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

الف:......مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو حساب اور منازلِ قمر کا علم رکھنے والے کے لیے اپنے علم پر اعتماد کر کے روزہ رکھنا جائز ہے۔ لیکن یہ روزہ فرض کے قائم مقام نہ ہوگا۔

---

[1] دیکھئے: المبسوط للسرخسی ج ۳ ص ۷۸ ، الأشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۲۰۰ ، تنبیہ الغافل والوسنان عن احکام هلال رمضان ص ۹۶ .

[2] شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن عمر بن سریج شافعی اپنے وقت کے امام ہیں، امام شافعیؒ کے شاگرد المزنی سے علم حاصل کیا اور اس مقام پر پہنچے کہ انھیں تیسری صدی کا مجدد کہا جانے لگا۔ ۳۰۶ھ میں انتقال ہوا، کہا جاتا ہے کہ تقریباً چار سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ الوافی بالوفیات ج۷ ص ۲۶۰ ، سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۱۰ اور اس کے بعد ، الاعلام للزرکلی ج۱ ص۱۸۵۔

[3] دیکھئے: رسالہ اوائل الشھور ص ۱۵ .

ب:...... روزہ رکھنا جائز ہوگا اور اس سے فرض بھی ساقط ہو جائے گا۔

ج:...... حساب کا صحیح علم رکھنے والوں کے لیے تو ایسے دن کا روزہ رکھنا جائز ہوگا اور غیر کے لیے صحیح نہیں ہوگا۔

د:...... علم ہیئت اور علمِ نجوم کے ماہر کے لیے روزہ رکھنا جائز ہوگا اور غیر کے لیے نہیں۔

ھ:...... علم ہیئت اور علمِ نجوم کے ماہرین کے لیے بھی اور غیروں کے لیے بھی روزہ رکھنا جائز ہوگا۔ [1]

(۲)...... امام ابن سریج رحمہ اللہ کا علم وتقویٰ اپنی جگہ مسلّم اور ان کی فقہی دسترس نا قابلِ انکار حقیقت ہے، لیکن یہ چیز بھی قابلِ لحاظ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے ان کی ملاقات نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ابن سریج رحمہ اللہ تک کیسے پہنچا، کیونکہ ابن سریج نے اپنے قول کی بنیاد امام شافعی رحمہ اللہ ہی کے قول پر رکھی ہے۔

(۳)...... ابن سریج کی طرف منسوب قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمِ فلک کی بنیاد پر روزہ رکھنا جائز ہوگا مگر چند شروط کے ساتھ:

اولاً:...... علمِ فلک کی رو سے یقینی طور پر ثابت ہو جائے کہ ہلال ظاہر ہو چکا ہے۔

ثانیاً:...... مطلع کے ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند کا نظر آنا ممکن نہ ہو۔

ثالثاً:...... صرف علم فلک کا علم رکھنے والوں کے لیے اس پر عمل کرنا جائز ہوگا غیروں کے لیے نہیں۔

(۴)...... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن سریج رحمہ اللہ نے یہ بات اپنے امام کی تقلید میں کہی ہے اور یہ عمومی طور پر دیکھا گیا ہے عقیدت وتقلید میں پڑ کر ایک شخص کسی بات کی تائید اور اپنے کسی قابلِ احترام بزرگ کی شخصیت کا دفاع پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا مقصد باطل کا دفاع کرنا نہیں ہوتا، اس لیے بہت ممکن ہے کہ امام ابو العباس رحمہ اللہ تک امام شافعی رحمہ اللہ

---

[1] المجموع ج٦ ص ٢٣٥، فتح الباری ج ٤ ص ١٢٣، طرح التثریب ج ٤ ص ١١٢، ١١٣۔ العلم المنشور للسبکی ص٢٠، ٢١.

کی طرف منسوب یہ قول کسی ذریعے سے پہنچا ہو، اور وہ اپنے امام کی تقلید اور عقیدت میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہوں۔

اس لیے جب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ امام شافعی کا یہ مسلک نہیں ہے، تو استدلال کی ساری بنیاد ہی خود بخود ختم ہوگئی۔ [1] واللہ اعلم

(۵) عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ [2]:

مطلع کے اَبرآلود ہونے کی صورت میں علمِ حساب اور منازلِ قمر پر اعتماد کر لینے کے بارے میں علاّمہ ابن قتیبہ کا نام بھی حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، لیکن اولاً تو ابن قتیبہ کی طرف اس قول کی نسبت کے بارے میں کاتبِ سطور کو تردّد ہے [3] ثانیاً حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ علامہ ابن قتیبہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ ابن قتیبہ کا موضوع نہیں ہے اور ایسے مسائل میں اُن پر اعتماد کیا جائے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ [4]، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ابن عبدالبر کا یہ قول نقل کیا ہے اور ان کی موافقت کی ہے۔ [5]

(۶) امام تقی الدین السبکی الشافعی رحمہ اللہ:

اس بارے میں امام سبکی رحمہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور ان کا بھی موقف تقریباً وہی ہے جو

---

[1] دیکھئے: فقه النوازل ج۲ ص ۲۰٤ .

[2] عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ، ابن قتیبہ الدینوری کے نام سے مشہور ہیں، سخت قسم کے سلفی مزاج تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ انھیں خطیب اہل السنۃ کا لقب دیتے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں۔ امام اسحاق ابن راہویہؒ کے مذہب پر تھے۔ رجب ۲۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ امام ذہبی انھیں العلامہ الکبیر ذو الفنون سے ملقّب کرتے ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۲۹٦ ، وفيات الأعيان ج ۳ ص ٤۲ ، ٤۳ .

[3] تردّد اس لیے ہے کہ علاّمہ موصوف کی متعدد کتابوں کی طرف رجوع کے بعد بھی مجھے ان کا یہ قول نہ مل سکا اور نہ ہی حافظ ابن عبدالبر کے علاوہ کسی اور نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ابتدا میں مجھے قوی امید تھی کہ علاّمہ موصوف کی کتاب غریب الحدیث میں یہ قول مل جائے گا۔ لیکن تلاش کے باوجود یہ حدیث "کتاب الصیام" اور احادیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں نہ مل سکی واللہ اعلم۔

[4] التمهيد ج ١٤ ص ٣٥٢ .

[5] فتح الباری ج ٤ ص١٣٣ .

ابن سریج رحمہ اللہ کا نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب العلم المنشور میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فأنا اختار في ذلك قول ابن سريج ومن وافقه في الجواز خاصة لافي الوجوب وشرط اختياری للجواز حيث ينكشف من علم الحساب انكشافا جليا امكانه ولا يحصل ذلك الا لما هر في الصنعة." [1]

"اس بارے میں ابن سریج اور ان کے ہم رائے لوگوں کا قول پسند کرتا ہوں اور وہ صرف جواز کی حد تک وجوب کی حد تک نہیں اور جواز کے اختیار کے لیے شرط یہ ہے کہ علمِ حساب کی بنیاد پر یہ امر منکشف ہو کر سامنے آجائے -کہ ہلال تو ضرور ظاہر ہوگا- اور یہ اعتبار سوائے علم فلک میں ماہر شخص کے کسی اور کو حاصل ہونے والا نہیں ہے۔"

(۷) علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ [2]:

میرے نزدیک متأخرین میں یہ سب سے اہم شخصیت ہیں کیونکہ علامہ مرحوم حدیث

---

[1] العلم المنشور ص۲۲۔ متاخرین میں ایک مصری حنفی عالم شیخ محمد بن بخیت المطیعی کی بھی رائے یہی ہے۔ دیکھئے: ان کا رسالہ ارشاد اهل الملّة ص۲۵۷، ۲۵۸۔ نیز شیخ محمد بخیت المطیعی کے شاگرد احمد الغماری المغربی نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور اس بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے "توجیہ الانظار"، دیکھئے صفحہ ۵۲،۵۳۔

[2] علامہ رحمہ اللہ ۱۳۰۹ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد علاّمہ محمد شاکر کے سایۂ عاطفت میں رہ کر دینی و دنیوی تربیت حاصل کی اور اس مقام کو پہنچے کہ لوگ ان کے والد کو بھول گئے، علّامہ مرحوم حدیث وتفسیر، فقہ و لغت بلکہ ہر فن میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔ عصرِ حاضر کے مسائل پر ان کی اچھی نظر تھی، جیسا کہ ان کی تالیفات اور تحقیقات سے ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے موصوف کو عجیب جرأت سے نوازا تھا، اپنے عصر میں اندھی تقلید اور مذہبی جمود پر بڑی کاری ضرب لگائی تیس سال سے زیادہ قاضی کے منصب پر فائز رہے، ۱۳۷۷ھ میں وفات ہوئی۔ دیکھئے: مقدمه كلمه الحق لأخيه محمود شاكر.
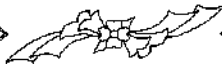
وفقہ بلکہ تمام علومِ شرعیہ اور لغویہ میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔ علامہ مرحوم نے ۱۳۵۷ھ موافق ۱۹۳۹ء میں ایک رسالہ تالیف فرمایا جس میں تین باتوں پر زور دیا:

① قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا سے متعلق اب رؤیتِ ہلال پر اعتماد جائز نہیں ہے۔

② سارے عالم کو مرکز اسلامی مکہ مکرمہ کی رؤیت کے تابع ہونا چاہیے۔

③ سارے عالم کو ایک ہی دن روزہ، عید اور عرفہ کا دن اپنانا چاہیے۔

علاّمہ مرحوم کی پہلی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ- جب اس امت سے امیّت کی صفت ختم ہوگئی تو اب- واجب ہے کہ صرف حساب کی طرف رجوع کیا جائے، رؤیتِ ہلال کے مسئلے کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور مہینے کی پہلی تاریخ وہی ہونی چاہیے جس تاریخ کو چاند سورج کے بعد غائب ہو خواہ ایک لحظہ کے بعد ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ [1]

گزشتہ صفحات میں ہم نے مسئلہ رؤیتِ ہلال یا قمری مہینہ کی ابتدا وانتہا کو حساب یا منازلِ قمر سے متعین کرنے کا تاریخی پس منظر بیان کر دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جلیل القدر علماء کی طرف اس رائے کو منسوب کیا جاتا ہے، ان کی طرف یہ نسبت قابل اطمینان نہیں اور جن شرائط کے ساتھ اِن علماء نے اجازت دی ہے، ان سے بھی عمومی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ذاتی عمل کی اجازت ہے۔ البتہ اس دور میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو کہتے ہیں کہ جب حساب دان اور منازلِ قمر کو جاننے والے لوگ پیدا ہوگئے ہیں تو علمِ فلکیات کے ذریعے قمری مہینوں کو متعین کر لینا چاہیے، اس لیے شاید میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ عصر حاضر کی بدعت ہے اور بدقسمتی سے علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ کا بھی قلم یہاں ٹھوکر کھا گیا ہے۔ [2]

---

[1] اوائل الشهور ص ١٤ .

[2] اللہ تعالیٰ کی لاکھ لاکھ رحمتیں ہوں علاّمہ مرحوم پر، معلوم نہیں علاّمہ نے کس دھن میں یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے؟ ان جیسے سلفی اور اثری عالم سے ایسی تاویلات کا صادر ہونا عجائبِ عالم میں سے ہے، سچ ہے کہ راقمِ سطور نے جب یہ رسالہ پڑھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اگر میں علاّمہ مرحوم کی تحریر اور ان کے اسلوب سے ⇦⇦

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقد أجمع المسلمون عليه ولا يعرف فيه خلاف قديم اصلاً ولا خلاف حديث الا أن بعض المتأخرين من المتفقهة الحادثين بعد المائة الثالثة زعم أنه اذا غم الهلال صار للحاسب ان يعمل في حق نفسه بالحساب فإن كان الحساب

⇐⇐ واقف نہ ہوتا تو کہہ دیتا کہ یہ علامہ مرحوم کی تالیف نہیں ہے، لیکن سچ ہے [لكل جواد كبوة ولكل عالم هفوة] بعد میں معلوم ہوا کہ اس تعجب واستغراب میں راقم سطور اکیلا نہیں ہے بلکہ ہم سے قبل بعض دوسرے علماء کو بھی اس پر تعجب ہوا ہے، چنانچہ شیخ اسماعیل انصاری نے علامہ احمد شاکر کی تردید میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام رکھا [لو غيرك قالها يا استاذ] ”اے استاذ! کاش کہ یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی۔“

مشہور محقق علامہ بکر بن ابو زید حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ شیخ اسماعیل انصاری رحمہ اللہ کے پاس مجھے (شیخ) احمد شاکر رحمہ اللہ کا ایک خط ملا، جس میں انہوں نے اپنے لکھے پر معذرت کا اظہار کیا ہے اور صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ میں اس رائے پر مطمئن نہیں ہوں بلکہ میرا مقصد صرف مسئلے کو ابھارنا تھا۔ (فقه النوازل ج ۲ ص ۲۰۴)

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ کے اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ مرحوم کو اپنی رائے پر اطمینان نہیں تھا اور اب وہ اس سے رجوع کر رہے ہیں۔

یہاں ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ مرحوم کا یہ کتابچہ ۱۳۵۷ھ موافق ۱۹۳۹ء کا تحریر کردہ ہے، یعنی ان کی وفات سے تقریباً بیس سال پہلے، پھر اسکے بعد علامہ مستقل تالیف وتصنیف میں مشغول رہے، اس موضوع کو چھیڑنے کے متعدد مواقع ہاتھ آئے لیکن بالکل خاموش رہے۔ خصوصاً مسند احمد کی شرح جس کی پہلی جلد کا مقدمہ ۱۳۶۵ھ میں لکھا گیا اور مسند میں متعدد حدیثیں ایسی گزریں جو موضوع سے مناسبت رکھتی تھیں لیکن مرحوم نے کسی پر بھی کوئی حاشیہ نہیں لگایا حتیٰ کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث بھی گزری، جس سے علماء نے [لِكُلِّ اَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتَهُمْ] پر استدلال کیا ہے، اس حدیث پر حضرت علامہ مرحوم سند کے اعتبار سے بحث کرتے ہوئے گزر گئے اور ایک لفظ بھی نہیں لکھا دیکھئے: ج ۴ ص ۲۸۲، جب کہ یہ بڑا اہم موقع تھا اپنی رائے کے اظہار کا جیسا کہ ایسے موقعوں پر ان کی عادت رہی ہے مزید برآں یہ دیکھئے کہ وہ تفصیلی فہرست جو ہر جلد کے آخر میں رکھی ہے اور جس کے لیے مسند کا اصل کام شروع کیا تھا وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عنوان لگاتے ہیں: رؤية الهلال وَلِكُلِّ اَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتَهُمْ (ج ۴ ص ۳۸۱)

یہ تمام باتیں اس حقیقت کو تقویت دیتی ہیں کہ علامہ مرحوم نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ والحمد للہ۔

دل علـی الـرؤية صـام وإلا فـلا هـذا الـقول وان كان مقيداً بـالاغـمـام ومـخـتـصاً بالحاسب فهو شاذ مسبوق بالاِجماع على خلافه فاما اتباع ذلك في الصحو او تعليق عموم الحكم العام به فما قاله مسلم ."❶

''یعنی اس بات پر [کہ قمری ماہ کی ابتداء وانتہا میں صرف رؤیتِ ہلال کا اعتبار ہوگا] مسلمانوں کا اتفاق رہا ہے، نہ ہی اس بارے میں کوئی قدیم اختلاف مروی ہے اور نہ ہی جدید، ہاں تیسری صدی ہجری کے بعد کچھ فقہاء پیدا ہوئے جنکا یہ خیال تھا کہ اگر [انتیس کی شام] مطلع ابر آلود ہو ❷ تو علم ہیئت کا حساب جاننے والوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے طور پر حساب کے مطابق عمل کرلیں ۔چنانچہ اگر حساب یہ کہتا ہے کہ [اگر مطلع صاف ہوتا تو رؤیتِ ہلال یقینی تھا تو]روزہ رکھے ورنہ نہیں، یہ قول اگرچہ -مطلع کے ابر آلود ہونے کے ساتھ- مشروط اور اہلِ ہیئت کے ساتھ خاص ہے، پھر بھی شاذ اور اجماعِ امت کے بعد پیدا ہوا ہے، البتہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں اسے ماننا اور اسے ایک عام حکم قرار دینا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس کا قائل کبھی کوئی مسلمان نہیں رہا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن سریج کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

ابن الصباغ [عبدالسید بن محمد] کہتے ہیں کہ علم حساب وفلک کی بنیاد پر روزہ رکھنا قطعاً

---

❶ مجموع الفتاوی ج۲۵ ص ۱۳۲، ۱۳۳ .

❷ لیکن یہاں ایک یہ سوال ہے کہ اہلِ ہیئت کا قول مطلع کے ابر آلود ہونے کی صورت میں تو قابلِ حجت ہو اور مطلع کے صاف ہونے کی صورت میں قابل حجت نہ ہو، اس تفریق پر قرآن وحدیث سے کیا دلیل ہے؟ پھر اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان: [فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعَبَانَ ثَلَاثِيْنَ] کا کیا معنیٰ ہے، جبکہ یہ حدیث صرف کتب ستہ میں تقریباً نصف درجن صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ دیکھئے: جامع الاصول ج٦ ص ٢٦٠ اوراس کے بعد۔

واجب نہ ہوگا، ہمارے مذہب کے اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ- میں کہتا ہوں کہ ابن المنذر رنے اپنی کتاب "الاِشـــراف" میں اس بات پر امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ مطلع کے ابر آلود ہونے کی وجہ سے اگر چاند نہ نظر آئے تو تیسویں دن کا روزہ رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مکروہ کہا ہے-واضح رہے کہ- ابن المنذر رنے علمِ فلکیات کا حساب جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے درمیان کوئی فرق ذکر نہیں کیا ہے۔ اس لیے جو شخص اس میں فرق ظاہر کرتا ہے اس کے خلاف اجماع حجت ہے۔ [1]

اِن دونوں اماموں کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ قمری مہینوں کے ثبوت کے لیے رؤیتِ ہلال شرط ہے، ورنہ تیس دنوں کی گنتی پوری کرنا ضروری ہے۔ یہی علمائے سلف وخلف کا مسلک رہا ہے، اگر بعد میں کچھ لوگوں نے اس اجماع سے اختلاف کیا ہے تو بڑے ہی محدود دائرے میں، جس سے اجماعِ امت متاثر ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حجیت باقی رہتی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کے مقتدر علماء کی کمیٹی نے بھی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس رائے کی تائید کی ہے [2] مشہور محقق شیخ بکر بن ابو زید حفظہ اللہ نے اس موضوع پر ایک طویل مقالہ تحریر کیا ہے جس کا پڑھنا ہر طالب علم کے لیے از حد مفید ہے۔ [3]

دوسری بحث:

دلائل کا جائزہ

رؤیتِ ہلال کی بجائے حساب ومنازل قمر پر اعتماد کرنے والے حضرات کا استدلال چند نقلی دلائل اور چند عقلی دلائل سے ہے۔ ذیل میں ان کے بعض اہم نقلی دلائل کا ذکر کیا جاتا

---

[1] فتح الباری ج ٤ ص ١٥٧، ١٥٨ طبع دار السلام . تفصیل دیکھئے: ابحاث هيئة كبار العلماء ج ٣ ص ٣٠ .

[2] دیکھئے سابقہ حوالہ۔ [3] فقه النوازل: ج ٢ ص ١٨٩ اوراس کے بعد۔

ہے۔ البتہ عقلی دلائل کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے، کیونکہ عقلی دلائل کا محاسبہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ مقالہ طول پکڑ جائے گا، تفصیل کے خواہاں حضرات اس موضوع کو مجلّہ مجمع الفقہ الاسلامی عدد دوم جلد دوم میں اور ابحاث ھیئۃ کبار العلماء کی جلد سوم میں دیکھ سکتے ہیں۔

پہلی دلیل:...... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَأَفْطِرُوْا فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدِرُوْا لَہٗ.)) [1]

''جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو افطار کرو اور اگر تم پر بادل چھا جائے تو اس کا اندازہ کرو۔''

وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو [فَاقْدِرُوْا لَہٗ] اور دوسری حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو [فَأَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلَاثِیْنَ] عام طور پر علماء نے دوسری روایت کو پہلی روایت کی تفسیر مانا ہے، لیکن اس رائے کے قائل حضرات کا کہنا ہے کہ دونوں لفظوں میں دو قسم کے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ [فَاقْدِرُوْا لَہٗ] تو یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو منازلِ قمر اور علم ہیئت سے واقف ہیں، یعنی ان سے کہا جا رہا ہے کہ جب مطلع ابر آلود ہو تو [قَدِّرُوْہُ بِمَنَازِلِ الْقَمَرِ] ''منازل قمر کا حساب لگاؤ''، اگر منازلِ قمر کے حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج چاند ظاہر ہونا چاہیے تو دوسرے دن روزہ رکھو، یا افطار کرو اور اگر منازلِ قمر کے حساب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہینہ تیس دن کا ہے تو روزہ نہ رکھو، اور نہ افطار کرو۔

اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ [فَأَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلَاثِیْن] تو یہ خطاب عام لوگوں کے لیے ہے جو منازلُ القمر اور علمِ ہیئت وغیرہ سے واقف نہیں ہیں کہ اگر انتیس کی شام کو مطلع ابر آلود ہو تو چونکہ تم لوگ منازلِ قمر اور اس کے ذریعے حساب نہیں لگا سکتے اس

---

[1] صحيح البخاری: ۱۹۰۰، ۱۹۰٦ الصوم ۔ صحيح مسلم: ۱۰۸۰ الصوم، بروايت عبد الله بن عمر.

لیے تیس کی تعداد پوری کرو۔

ان حضرات کا مزید کہنا ہے کہ چونکہ اب امت میں پڑھے لکھے لوگ پیدا ہوگئے ہیں اور چاند کی خبر دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک بڑی آسانی سے پہنچائی جاسکتی ہے لہٰذا رؤیت پر اعتماد صرف اسی چھوٹی جماعت کے لیے ہوگا جن تک ابتدائے ماہ کی خبر نہ پہنچائی جاسکتی ہو۔ البتہ جن لوگوں تک یہ خبر آسانی سے پہنچ سکتی ہو، انھیں اہلِ فلک کی باتوں پر اعتماد کرنا چاہیے۔ [1]

اس استدلال پر چند اعتراضات ہیں:

(۱)...... حدیثِ مبارک کا یہ ایسا معنی ہے جو قرون اولیٰ میں کسی امام فقیہ اور عالم [2] سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف علمائے امت اور فقہاء ملت کا اجماع رہا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

(۲)...... حدیث وعلمِ حدیث سے تعلق رکھنے والا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کسی حدیث کا معنی متعین کرنے کے لیے سب سے پہلے اس حدیث کے مختلف طرُق پر نظر رکھی جاتی ہے، کیونکہ بسا اوقات حدیث ایک سند سے مختصر مروی ہوتی ہے جبکہ کسی دوسری سند سے یا کسی دوسری کتاب میں وہ حدیث مفصل مذکور ہوتی ہے، اسی طرح اس معنی کی دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی حدیثوں پر بھی نظر رکھی جاتی ہے، تب جا کر کسی حدیث کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے، اسی اصول کے تحت محدّثین اور شارحینِ حدیث نے زیرِ بحث حدیث کا معنیٰ متعین کیا ہے۔ چنانچہ علمائے حدیث نے سب نے پہلے مذکورہ حدیث کے دوسرے طرق پر نظر ڈالی، پھر اس معنی میں مروی دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات پر غور کرکے اس نتیجے پر پہنچے کہ اس حدیث میں [فَاقْدِرُوْا] کا معنی ماہ شعبان کے ایام کا شمار کرنا، اندازہ لگانا اور گنتی کے بعد اس کے

---

[1] دیکھئے: اوائل الشہور لاحمد شاکر ص ۱۵، ۱٦.

[2] بعض متقدمین جن کا نام اس سلسلے میں لیا جاسکتا ہے، اس کی تحقیق گزر چکی ہے کہ ان اقوال کی حقیقت کیا ہے؟

تیس دن پورا کرنا ہے۔ ❶

علی سبیل المثال دیکھئے مشہور شارحِ کتبِ حدیث: امام خطابی رحمہ اللہ شرح بخاری میں مذکورہ حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وذهب عامة العلماء إلى أن معنى التقدير فيه استيفاء عدد الثلاثين وقد روى عن رسول الله ﷺ من طريق ابى هريرة وابن عمر وهذا القول هو المرضي الذي عليه الجمهور من الناس والجماعة منهم.)) ❷

''عام طور پر علماء اسی طرف گئے ہیں کہ اس حدیث میں [التقدیر] کا معنیٰ تیس کا عدد

---

❶ دیکھئے: التمهيد ج ١٤ ص ٣٥٢ اور اس کے بعد، فتح البارى ج ٤ ص ١٥٦، طرح التثريب ج ٤ ص ١٠٥، عمدة القارى ج ١٠ ص ٣٧٣ المرعاة ج ٦ ص ٤٣٠ اور اس کے بعد نیز دیکھئے: فقه النوازل ج ٢ ص ٢٠٨ تا ٣١١۔

واضح رہے کہ تمام اہلِ لغت نے بھی اس بارے میں ابن سریج کے قول کی مخالفت کی ہے اور [فَاقْدِرُوْا] کا معنی اندازہ کرنا، مقدار کے مطابق کرنا وغیرہ لکھا ہے، چنانچہ مشہور لغوی ابو منصور الازہری م ٣٧٠ م [فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهُ] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اَيْ قَدِّرُوْا عِدَّةَ الشَّهْرِ وَاَكْمِلُوْا ثَلاثِيْنَ يَوْماً، پھر ابن سریج کا مخالف قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وَالْقَوْلُ الْاَوَّلُ عِنْدِيْ اَصَحُّ وَأَوْضَحُ (تهذيب اللغة ج ٩ ص ٢٢)

صاحبِ لسان العرب نے بھی ازہری کا یہ قول نقل کیا ہے اور خاموش رہے ہیں۔

(لسان العرب ج ٥ ص ٧٨)

نیز غریب الحدیث کے مؤلفین نے بھی یہی معنی متعین کیا ہے، دیکھئے: غريب الحديث لابن الجوزى ج ٢ ص ٢٢٣، النهايه فى غريب الحديث لا بن الاثير؛ ج ٤ ص ٢٣، تفسير غريب الحديث لابن حجر ص ١٩٢.

ابن سریج وہ پہلی شخصیت ہے جس کی طرف اس معنیٰ کی نسبت صحیح مانی جا سکتی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

❷ اعلام الحديث ج ٢ ص ٩٤٢.

پورا کرنا ہے، حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ سے یہی مروی ہے، یہی قول پسندیدہ ہے اور اسی پر جمہور علماء ہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فقالوا: المراد بقوله [فَاقْدِرُوْا لَهٗ] اي انظروا في أول الشهر واحسبوا تمام الثلاثين، ويرجح هذا القول الروايات الأخر المصرحة بالمراد وهي ما تقدم من قوله [فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاثِيْنَ] ونحوها وأولى ما فسر الحديث بالحديث]" [1]

''چنانچہ جمہور کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان [فَاقْدِرُوْا لَهٗ] سے مراد یہ ہے کہ ابتدائے ماہ سے دیکھو اور پوری تیس کی گنتی مکمل کرو، دوسری تمام روایات جن میں اس کی تصریح وارد ہے، وہ بھی اِسی قول کی تائید کرتی ہیں۔ یعنی وہ حدیثیں جو ابھی گزری ہیں، اور ان میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: [فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاثِيْنَ] اور سب سے بہتر یہ ہے کہ ایک حدیث کی تفسیر دوسری حدیث سے کی جائے۔''

وہ معروف اور معتمد علیہ آئمۂ حدیث جنھوں نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کی تخریج کی ہے ان کا بھی اسلوب اِس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ جس روایت میں [فَاقْدِرُوْا لَهٗ] کا لفظ وارد ہے۔ وہ حدیثیں ان کی تفسیر کرتی ہیں جن میں: فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاثِيْن، فَعُدُّوْا ثَلاثِيْنَ اور فَاكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاثِيْنَ وغیرہ کے الفاظ وارد ہیں۔ [2]

علی سبیل المثال دیکھیے:

الف:...... امامِ محدّثین امام ابوعبداللہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب الصوم، باب نمبر ۱۱ کے تحت جب سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث نقل کی تو اس

[1] فتح الباری ج ٤ ص ١٢٠ .

[2] اس سلسلے میں وارد تمام الفاظ کے لیے دیکھیے: فقه النوازل ج ٢ ص ٢٠٨، ٢٠٩ .

کے فوراً بعد اس کی تفسیر میں حضرت ابنِ عمر اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیثیں بھی نقل کیں:

①:...... ((اَلشَّھْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَیْلَةً ، فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِیْنَ .))❶

②:...... ((صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِهٖ فَاِنْ غُبِّيَ عَلَیْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعَبَانَ ثَلَاثِیْنَ .))❷

[فَاقْدِرُوْهُ لَهُ] کے بعد ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ لطیف اشارہ فرمایا کہ [فَاقْدِرُوْا لَهٗ] کے معنیٰ میں جو اجمال و اشکال ہے، ان دونوں حدیثوں میں اس کی تفصیل اور توضیح ہے، لہٰذا یہی اس کی صحیح تفسیر و تعبیر ہے۔

ب:...... امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث نقل فرمائی جس میں [فَاقْدِرُوْلَهٗ] کے الفاظ وارد ہیں پھر اس کی تفسیر اور تفصیل میں اس حدیث کے مختلف طُرق نقل کیے ❸ جن میں سے بعض کے الفاظ یہ ہیں:

١ :...... "فَاِنْ أُغْمِيَ عَلَیْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ ثَلَاثِیْنَ۔" حدیث الباب : ٢"

٢ :...... "فَاِنْ غُمَّ عَلَیْكُمْ فَاقْدِرُوْا ثَلَاثِیْنَ۔" حدیث الباب:٣"

ان دونوں اِماموں کے علاوہ دو اور مشہور اماموں نے بھی اس بارے میں مزید صراحت سے کام لیا ہے۔

ج:...... چنانچہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اپنی صحیح میں یوں باب باندھتے ہیں:

[باب الامر بالتقدير للشهر اذا غم على الناس]

---

❶ صحيح البخارى: ١٩٠٧ الصوم ـ صحيح مسلم : ١٠٨٠ الصوم، بروايت ابن عمر .

❷ صحيح البخارى: ١٩٠٩ الصوم .

❸ صحيح مسلم ج ٢ ص ١٤٦، ١٤٧ مع منة المنعم .

اس باب کے تحت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہی حدیث نقل کی ہے جس میں [فَاقْدِرُوْ لَهٗ] کا لفظ وارد ہے۔ پھر اس کی وضاحت کرنے کے لیے ایک نیا باب یوں باندھتے ہیں:

[باب ذكر الدليل على ان الأمر بالتقدير للشهر اذا غم ان يعد ثلاثين يوماً ثم صام]

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی انھیں دونوں حدیثوں کی تخریج کی ہے جن کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ ❶

د:...... امام ابن خزیمہ کے شاگرد امام ابن حبان رحمہ اللہ اپنی صحیح میں باب یوں باندھتے ہیں:

[ذكر الامر بالقدر لشهر شعبان اذا غم على الناس رؤية هلال رمضان]

پھر اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہی حدیث ذکر کی ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے۔

پھر اس حدیث میں کلمہ [فَاقْدِرُوْ لَهٗ] کی وضاحت کرنے کے لیے مزید دو باب منعقد کیئے ہیں اور ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ذکر کی ہے جس کا ذکر بخاری شریف کے حوالے سے گزر چکا ہے:

"ذكر البيان بان قوله ﷺ [فَاقْدِرُوْلَهٗ] اراد به اعداد الثلاثين ."

"ذكر البيان بان قوله ﷺ [اِقْدِرُوْا لَهٗ] اراد به اعداد الثلاثين . ❷

ھ:...... امام بغوی رحمہ اللہ نے بھی مصابیح السنۃ میں اسی چیز کو واضح کیا ہے۔ چنانچہ وہ

---

❶ الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان ج٥ ص ١٨٦ .

❷ مشكاة المصابيح تحقيق الالباني ج١ ص ٦١٥ دیکھئے: مرعاة المصابيح ج٤ ص ٢٠٦ طبعه قديمه .

لکھتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((لا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰی تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهُ] وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: [اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَيْلَةً ، فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ .))

اگر اس قسم کے تمام حوالے نقل کیے جائیں تو دامنِ قرطاس تنگ نظر آئے گا، مقصدِ بیان صرف یہ ہے کہ جس روایت میں [فَاقْدِرُوْا لَهٗ] کے الفاظ آئے ہیں وہ مجمل ہے۔ جس کی تفسیر دوسری روایات میں [فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْن ، فَعُدُّوْا ثَلَاثِيْنَ] وغیرہ الفاظ سے وارد ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے کہ آئمۂ حدیث اور شارحینِ حدیث کا اس پر اتفاق چلا آرہا ہے۔

اس موضوع کو میں اتنا طول نہیں دینا چاہتا تھا، لیکن چونکہ علّامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اپنے موقف کے لیے اسی حدیث کو بنیاد بنایا تھا اور انھیں کی تقلید میں ہمارے بعض بزرگوں نے بھی ہندوستان میں اس موضوع کو ابھارا ہے، اس لیے اسے طول دینے کی ضرورت محسوس ہوئی، اب اختصار کے پیشِ نظر آخر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی روایت سے ایک حدیث نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جس ایک ہی حدیث اور ایک ہی سیاق میں [فَاقْدِرُوْا] کی تفسیر مذکور ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْأَهِلَّةَ مَوَاقِيْتَ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ أَتِمُّوْهُ ثَلَاثِيْنَ .))[1]

''چاند کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے جنتری قرار دیا ہے، اس لیے جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو افطار کرو پھر اگر تم پر بادل چھا جائیں تو

[1] مصنف عبد الرزاق ج ٤ ص ١٥٦ نمبر ٧٣٠٦۔ مستدرك الحاكم ج١ ص ٤٢٣۔ صحيح ابن خزيمه ج٣ ص ٢٠١ ۔ السنن الكبرى للبيهقى ج ٤ ص ٢٠٤ .

اس کا اندازہ کرو تیس دن پورے کرو۔"

یہ حدیث بڑے واضح لفظوں میں ابو العباس ابن سریج اور علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ کی رائے کی تردید کررہی ہے کہ [فَاقْدِرُوْا] کا اصل معنیٰ [اَتِمُّوْا ثَلاثِیْنَ یَوْماً] ہے نہ کہ منازلِ قمر کا حساب ہے۔ واللہ اعلم

(۳)...... احادیث کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہینوں کی ابتدا وانتہا کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارک یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے میں صرف اور صرف رؤیتِ ہلال پر اعتماد فرماتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کو بذریعۂ وحی بھی مطلع کرسکتا تھا، اب ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے بڑھ کر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ لِشَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ لِغَيْرِهِ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَتِهِ رَمَضَانَ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْماً ثُمَّ صَامَ .)) ❶

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے دنوں کا جیسا اہتمام فرماتے، اتنا کسی اور مہینے کے دنوں کا اہتمام نہیں فرماتے تھے، پھر چاند دیکھ کر روزہ رکھتے اور اگر بادل چھا جاتا تو تیس دن پورا کرتے پھر روزہ رکھتے۔"

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

((وكان من هديه صلى الله عليه وسلم ان لا يدخل في صوم رمضان الا برؤية محققة او بشهادة شاهد واحد .)) ❷

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ رمضان کا روزہ رؤیتِ ہلال کے ثبوت کے بغیر نہ رکھتے یا پھر یہ کہ ایک گواہی دینے والا گواہی دے دے۔"

---

❶ سنن ابو داود وسنن الترمذی وغیرهما ، تخریج گزر چکی ہے۔

❷ زاد المعاد في هدى خير العباد ج۲ ص ۳۸۔

اس کے برخلاف آپ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ آپ نے منازلِ قمر کا حساب رکھا ہو یا اس کی تعلیم کی ترغیب دی ہو اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا کیا ہے۔

(۴)...... جو شریعت عام وخاص، جاہل وعالم ہر ایک کے لیے آئی ہو، اس میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک عمل جو ہر قادر، عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہو جیسے رمضان المبارک کا روزہ، پھر اس میں مطلع کے ابر آلود ہونے کی صورت میں عالم وجاہل میں فرق رکھا جائے، یہ ایسا نکتہ ہے جس کا قائل کوئی محدّث ہے اور نہ حدیث وقرآن سے اس کی کوئی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نقل وعقل اور لغت وادب کسی بھی اعتبار سے اس حدیث کا مفہوم وہ نہیں بنتا جو یہ حضرات ثابت کرنا چاہیے ہیں۔

دوسری دلیل: ...... دوسری حدیث جس سے اِن حضرات کا استدلال ہے، وہ یہ ہے:

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَانَكْتُبُ وَلَانَحْسُبُ وَالشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ، وَمَرَّةً ثَلَاثِيْنَ.)) [1]

''ہم لوگ اُمی امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کرنا، مہینہ اتنا اتنا یعنی کبھی انتیس کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا ہوتا ہے۔''

وجۂ استدلال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا کے بارے میں اپنے آپ اور اپنی امت کو [أُمِّـيْ] اور حساب وکتاب کی عدمِ معرفت سے موصوف کیا، پھر جب اس امت کے لوگ [أُمِّـيْ] نہ رہے بلکہ ان میں حساب، نجوم اور علمِ فلک کے

[1] صحيح البخاري: ۱۹۱۳ الصوم ـ صحيح مسلم: ج۲/ ص ۱٤۷ بروايت عمر.

ماہرین پیدا ہوگئے تو رؤیتِ ہلال کی ضرورت باقی نہیں رہی ......الخ۔ [1]

اس استدلال پر چند ملاحظات ہیں:

(۱)...... یہ استدلال علمائے سلف بلکہ اجماعِ امت کے خلاف ہے، قرونِ اولیٰ اور اس کے بعد بھی کسی معتبر عالم اور امام نے اس کا وہ مفہوم نہیں لیا ہے جو یہاں لیا جارہا ہے، تعجب در تعجب ہے علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ وغفرلہ، جیسے اہلحدیث اور سلفی عالم پر کہ ان کے نوکِ قلم سے ایسی تاویل وتفسیر کیسے سرزد ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اندھی تقلید کے حامی نہیں ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس چیز کو بھی مسلکِ اہلحدیث کے سراسر خلاف سمجھتے ہیں کہ کسی آیت وحدیث کا کوئی ایسا مفہوم لیا جائے جو فہمِ سلف کے خلاف ہو، بلکہ بڑے واضح لفظوں میں یہ کہتا چلوں کہ خوارج اور دوسرے باطل فرقوں کے صحیح راہ سے بھٹکنے کی سب سے بڑی وجہ -میری سمجھ کے مطابق- یہ تھی کہ ان لوگوں نے بعض آیات واحادیث کا وہ مفہوم متعین کیا تھا جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے فہم سے مطابقت نہیں رکھتا تھا، اس لیے خطرہ ہے کہ ایسے عجیب وغریب معنیٰ لینے والے لوگ اس وعید کے مستحق نہ ٹھہریں جو اس ارشادِ الٰہی میں ہے:

﴿وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾﴾ (سورۃ النساء: ۱۱۵)

’’جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بھی رسول کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اُسے اُدھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔‘‘

لیکن بدقسمتی سے آج یہ رجحان ہماری نوجوان نسل اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے، پھر جب انھیں اس پر متنبہ کیا جاتا ہے تو بڑی دلیری سے اور کبر کے انداز

---

[1] اوائل الشھور لاحمد شاکر ص ۱۳، ۱۴۔ نیز دیکھئے: مجلۃ مجمع الفقہ عدد سوم جلد دوم ص ۸۴۲ شیخ مصطفیٰ کمال تازری کا مقالہ۔

میں کہہ دیتے ہیں کہ: ''ہم کسی کے مقلد تھوڑی ہیں'' عیاذاً باللہ۔

(۲)...... علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لیے بطورِ مدح وارد ہے اور وجہٗ استدلال میں اس کا جو مفہوم بیان کیا جارہا ہے، اس سے نقص کا پہلو نکلتا ہے حالانکہ جو آیتِ اور حدیث امت کے لیے بطورِ مدح وارد ہو اس کے التزام میں ہی امت کے لیے خیر ہے، یہ ایسا نکتہ ہے جسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الھلال'' میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور متعدد مثالوں سے اس مفہوم کی وضاحت کی ہے، ہر طالب علم کو اس کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''وظهر بذلك ان الأمية المذكورة هنا صفة مدح وكمال من وجوه من جهة الاستغناء عن الكتاب والحساب بما هو أبين منه وأظهر وهو الهلال، ومن جهة أن الكتاب والحساب هنا يدخلها غلط ومن جهة أن فيهما تعباً كثيرا بلا فائدة فان ذلك شغل عن المصالح اذ هو مقصود لغيره لا بنفسه واذا كان نفي الكتاب والحساب عنهم للاستغناء عنه بخير منه، وللمفسدة التى فيه كان الكتاب والحساب في ذلك نقصاً وعيباً بل سيئة وذنبا فمن دخل فيه فقد خرج عن الأمة الأمية فيما هو من الكمال والفضل السالم عن المفسدة ودخل في امر ناقص يؤديه الى الفساد والاضطراب.'' [1]

اس بحث سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث میں مذکور [صفتِ امیت] کو مدح وکمال کے مفہوم میں لیا گیا ہے، جس کی مختلف وجوہات ہیں:

(۱)...... رؤیتِ ہلال جو بالکل ہی واضح چیز ہے اس کے ذریعے حساب وکتاب

[1] مجموع الفتاوى ج۲۵ ص ۱۷٤ .

سے بے نیازی ہوجاتی ہے۔

(۲)...... جبکہ اس بارے میں حساب وکتاب پر اعتماد میں غلطی کا امکان ہے۔

(۳)...... حساب وکتاب میں بلا فائدے کی بہت بڑی پریشانی ہے کیونکہ اس میں مشغولیت سے دوسرے اہم کاموں سے توجہ ہٹتی ہے اور یہ بات بھی واضح رہے کہ حساب وکتاب [یعنی منازلِ قمر سے متعلق حساب وکتاب] خود مطلوب نہیں بلکہ دوسرے مطلوبہ کام کا ذریعہ ہے۔

اور جب صورتِ حال یہ ہے کہ حساب وکتاب کی نفی اس لیے کی گئی ہے، اس سے بہتر چیز اس سے بے نیاز کرتی ہے، اور اس وجہ سے کہ اس میں مشغولیت سے خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس بارے میں حساب وکتاب میں الجھنا نقص وعیب ہے، بلکہ معاملہ برائی اور گناہ تک پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص حساب وکتاب کے گورکھ دھندوں میں پھنس گیا تو وہ اس امت کی جو شانِ کمال تھی اس سے محروم ہوگیا اور وہ ایسے بے فائدہ کام میں الجھ گیا جو نتیجتاً اسے نقصانات اور الجھنوں تک پہنچا دے گا۔''

علاّمہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرب یا اس امت کا اس بارے میں نہ لکھنا پڑھنا، ان کے لیے شرف کا باعث ہے کیونکہ علمِ الٰہی میں یہ مقرر ہو چکا تھا کہ یہ لوگ نبیٔ اُمی کی امت میں شامل ہوں گے۔ [1]

اِن دونوں اِماموں یعنی امام ابن تیمیہ اور امام سبکی رحمہما اللہ کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس حدیث میں وارد صفتِ اُمیت اور علمِ حساب وکتاب سے دوری اُمت کے لیے صفتِ مدح وکمال ہے نہ کہ صفتِ ذم ونقص کہ اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے بلکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شہر میں برائی وفساد کے اڈے ہوں، اس کا تذکرہ کسی مجلس میں ہو تو کوئی یہ کہے کہ میں تو اس جگہ کو جانتا ہی نہیں اور نہ ہی اس طرف کا ہم نے راستہ دیکھا ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ لاعلمی

[1] امام سبکی رحمہ اللہ کا رسالہ العلم المنشور ص ۱۸، ۱۹.

اور جہالت اس شخص کے بارے میں صفتِ ذم نہیں بلکہ صفتِ مدح وکمال ہے۔ فلينتبه .

(۳)......اس حدیث میں وارد لفظ [إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّة] کو لفظ [لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ] اور [وَالشَّهْرُ هٰكَذَا اَوْهٰكَذَا] سے مقرون کیا گیا ہے، جس سے امتِ محمدیہ کو یہ خبر دینا مقصود ہے کہ امت چاند اور قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا کے بارے میں علمِ فلک اور منازلِ قمر سے متعلق معرفت حاصل کرنے کی محتاج نہیں ہے بلکہ مہینہ یا تو ۲۹ دن کا ہوگا یا پھر تیس دن کا جس کی معرفت کا ذریعہ چاند کا دکھائی دینا ہے یا پھر تیس دنوں کا پورا ہونا، جیسا کہ متعدد حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جب اِس اُمت سے صفتِ امّیّت ختم ہوجائے گی تو اس کا اعتماد حساب وکتاب اور علمِ فلک پر ہوگا اور امت رؤیتِ ہلال سے مستغنی ہوجائے گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حساب سے مراد تاروں کی آمد ورفت اور ان کی منازل کا حساب ہے، کیونکہ اس وقت وہاں پر اس علم کو جاننے والے بہت کم لوگ تھے، اس لیے روزہ رکھنے وغیرہ کے حکم کو رؤیتِ ہلال سے متعلق کیا ہے، جس کی وجہ تاروں کی منازل کو معلوم کرنے میں جو پریشانیاں تھیں ان سے چھٹکارا دلانا ہے، اس کے بعد بھی روزہ وغیرہ کے بارے میں یہی حکم چلتا رہا اگرچہ اس علم کو جاننے والے لوگ پیدا ہوئے، بلکہ حدیث کا سیاق وسباق یہ ظاہر کرتا ہے کہ حسابِ نجوم اور منازلِ قمر پر مطلقاً اعتماد نہ کیا جائے گا جس کی توضیح وہ حدیث کرتی ہے جس میں ارشاد ہے کہ [فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ] چنانچہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تمھارے اوپر بادل چھا جائے تو اہلِ حساب سے پوچھو، بلکہ یہ فرمایا کہ [گنتی کے تیس دن پورے کرو] [1]

---

[1] فتح الباری ج ٤ ص ١٣٢۔ نیز دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ج ١٤ ص ١٩١، ١٩٢ ترجمہ محمد بن یحییٰ بن مندہ۔ عارضة الأحوذی ج ٣ ص ٣٠٧ اور اس کے بعد، العلم المنشور للسبکی ص ١٨، ٣٤۔ المرعاۃ ج ٤ ص ٤٣٤ اور اس کے بعد فقه النوازل ج ٣ ص ٢١١، ٢١٤ وغیرہ۔

قمری مہینوں کو بذریعۂ علم فلک ثابت ماننے والوں کے یہ نقلی دلائل تھے جن کا تجزیہ پیش کیا گیا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اولاً تو ان کے دلائل اپنے معنیٰ میں صریح نہیں ہیں۔

ثانیاً: یہ ایک ایسا قول ہے جو اجماعِ سلف کے خلاف ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ازروئے عقل بھی اس قول کو باطل قرار دیا ہے، نیز عصرِ حاضر میں شیخ بکر ابوزید حفظہ اللہ نے بھی اپنے بعض مقالات میں اس موضوع کو تفصیل سے لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ علمِ فلک اور حساب کے ذریعے قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا کو قبول کرنے میں دو بڑی اہم خرابیاں لازم آتی ہیں:

① حساب اور علمِ فلک کا معاملہ ابھی تک ظن وتخمین کی حدود پار نہیں کرسکا۔

② بذریعۂ حساب قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا کو قبول کرنے میں کئی اعتبار سے شریعت کی مخالفت ہوتی ہے۔ [1]

حسابِ منازلِ قمر اور علمِ فلک کی ظنّیت:

(۱)...... اہلِ فلک یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان کا علم ظنی اور غیر یقینی ہے۔ بلکہ اس کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ اِس وقت منٹ وسیکنڈ کی تحدید کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت رؤیتِ ہلال کا مسئلہ بالکل یقینی ہے، البتہ حق یہ ہے کہ یہ بات صرف دعویٰ کی حد تک ہے، لیکن ان کے اس دعوے کو چیلنج کرنے کا مسئلہ اس لیے مشکل ہے کہ عمومی طور پر علمِ شرع کے حاملین اور اہلِ دین وتقویٰ حضرات ان عصری علوم میں مہارت نہیں رکھتے اس لیے ان مدعیانِ علم کا علمی جواب دینے میں مشکل پیش آتی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ علم ابھی تک ''ظن'' کی حدود میں ہے جس کی وجوہات درجِ ذیل ہیں:

بہت سے حوادث ایسے پیش آتے ہیں جو اہلِ فلک کے دعووں کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۴۰۶ھ میں اہلِ فلک نے یہ بات یقین سے کہی کہ شوال کا چاند انتیس رمضان کی شام کو ظاہر نہیں ہوگا اور یہ بات مقامی اخبارات میں بھی چھپی لیکن اللہ کی قدرت کہ

[1] فقه النوازل ج۳ ص ۲۱۷۔ معرفة اوقات العبادات ج ۳ ص۸۵.
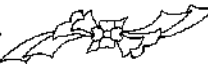
سعودی عرب کے مختلف علاقوں سے بیس آدمیوں نے رؤیتِ ہلال کی شہادت دی، اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی چاند دیکھا گیا۔ [1]

۱۴۲۴ھ میں مملکتِ سعودی عرب میں اہلِ فلک کے بیان کے مطابق یہ چرچا تھا کہ رمضان کا چاند انتیس شعبان کی شام کو ضرور نظر آئے گا، یہ خبر اس تیزی سے لوگوں میں عام ہوئی کہ لوگوں کو مکمل یقین تھا کہ آج تراویح کی نماز پڑھی جائے گی اور کل روزہ رکھنا ہے، حتیٰ کہ بہت سی مساجد میں ایک معمولی سی افواہ پر تراویح کی نماز پڑھ لی گئی، لیکن حق یہ ہے کہ مطلع بھی صاف تھا اور مملکتِ سعودی عرب کے مختلف شہروں میں ہزاروں لوگوں کی نگاہیں غروبِ آفتاب کے وقت افقِ مغرب میں اس نئے مہمان کے دیدار کے لیے اٹھی ہوئی تھیں، سعودی عرب ہزاروں مربع میل رقبے پر مشتمل ہے، پھر بھی کسی علاقے سے کسی کو بھی اس نئے مہمان کے دیدار کا شرف حاصل نہیں ہوا حتیٰ کہ سدیر کے علاقے کا وہ شخص جس کی نظر کی تیزی پر الحمد اللہ کافی اعتماد کیا جاتا ہے، اُس نے بھی معذرت ظاہر کی کہ آج وہ بھی اس شرف سے محروم ہے، بالآخر سب کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ؏

نہ ہوا پر نہ ہوا یار کا دیدار نصیب۔

رابطۂ عالمِ اسلامی کے مجمع الفقہی میں یہ موضوع کئی بار زیرِ بحث آیا، جس میں اِس موضوع پر بھی بحث ہوئی کہ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ قطعی ہے یا کہ ظنی، دورانِ بحث اس سلسلے میں متعدد رائیں سامنے آئیں حالانکہ اس میں بعض ماہرینِ فن بھی موجود تھے چنانچہ ۱۴ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ موافق دسمبر ۱۹۸۵ء کی مجلس میں رئیسِ مجلس نے فرمایا:

”وقد سمعتم ما ذكر على ألسنة البعض منهم أنه ظني وقد سمعتم من يحكى شيئا من قطعيته ومنهم من يقول أنه شبه قطعي وما جرى مجرى ذلك۔“ [2]

---

[1] دیکھئے حوالہ سابقہ۔

[2] مجلة مجمع الفقه الاسلامى عدد ثانى جزء ثانى ص ١٠٣٠ .

''آپ لوگوں نے یہ بھی سنا جو بعض لوگوں نے ذکر کیا کہ بعض نے اسے ظن کہا اور بعض نے اس کی قطعیت نقل کی اور بعض نے اسے قطعی کے مشابہ قرار دیا۔''

یہ حادثات اور اہلِ فن کا یہ اعتراف اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ علمِ حساب ونجوم ابھی تک ظن کی حدود میں ہے، بلکہ یہ حادثات جہاں ایک طرف اہلِ ہیئت کو یہ سبق دیتے ہیں کہ وہ اپنی حد کو پار نہ کریں وہیں اہلِ علم حضرات سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جدید علوم کے ماہرین کے ہر دعوے کو من وعن قبول کرنے سے پرہیز کریں۔

حسابِ فلکی کے سارے معاملات اس وقت آلاتِ جدیدہ پر منحصر ہیں، جن میں کسی بھی وقت فنی خرابی پیدا ہوسکتی ہے اور بسا اُوقات اس خرابی کا احساس اس میدان میں کام کرنے والوں کو بھی نہیں ہوتا، روزانہ دنیا کو اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی میں خرابی کے کیسے نتائج سامنے آرہے ہیں، صرف ہوائی جہازوں کو درپیش حادثات سبق لینے کے لیے کافی ہیں۔

یہ بات عام طور پر مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ عصرِ حاضر میں بعض اسلامی شہروں میں روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا معاملہ حسابِ فلکی کی بنیاد پر ہے اور ان کے یہاں رؤیت ِہلال کی کوئی اہمیت نہیں ہے، لیکن یہ چیز ملاحظے میں ہے بسا اوقات ان ملکوں اور ان دوسرے ملکوں میں جن میں رؤیتِ ہلال پر اعتماد کیا جاتا ہے، دو یا تین دن کا فرق پڑتا ہے۔ حالانکہ علماً اور عقلاً یہ غیر معقول سی بات ہے۔

یہ بات بھی ہر شخص کے مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ ایک ہی ملک میں موجود کیلنڈر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں کسی میں رمضان کا مہینہ تیس دن مذکور ہوتا ہے اور کسی میں انتیس دن، یہ اختلاف اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کا علم ابھی ظن وتخمین ہی کہ حدود میں ہے، واللہ اعلم۔ [1]

ابھی چند دن پہلے ایک مجلس میں حاضر تھا، اس میں الھنا ڈیری فارم الغاط میں کام

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: فقه النوازل ج٣ ص ٣١٦ تا ٣١٨.

کرنے والے مہندس (انجینئر) محمد عامر بھی موجود تھے۔ بظاہر قابلِ اعتماد شخص لگ رہے تھے، انھوں نے بیان کیا کہ جنوری ۱۹۸۷ء میں مصری اخبارات نے اعلان کیا کہ فلاں تاریخ کو سورج میں مکمل گرہن لگنے والا ہے، چونکہ میں سائنس کا طالب علم تھا اس لیے اس خبر کے بارے میں بہت سنجیدہ تھا لیکن اللہ کا کرنا کہ کلی تو کیا، جزوی سورج گرہن بھی نہیں لگا۔

اِسی طرح اِس سال ۴ مئی موافق ۱۵ ربیع الأول بروزِ منگل تمام سعودی اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ آج رات ۹ بج کر ۴۷ منٹ پر چاند گرہن کی ابتدا ہوگی اور گیارہ بجے جا کر چاند مکمل طور پر گرہن کی زد میں آجائے گا، لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ چاند میں گرہن کی ابتدا اہلِ فلک کے مقررہ وقت سے تقریباً بیس منٹ پہلے ہوگئی بلکہ دوسرے دن اخبارات نے یہ صراحت کی کہ چاند میں گرہن کی ابتدا ۹ بج کر ۳۰ منٹ میں ہوگئی تھی۔

حسابِ نجوم اور علم فلک کا شریعت سے ٹکراو:

رؤیتِ ہلال کو چھوڑ کر ستاروں کی نقل وحرکت اور علمِ ہیئت پر اعتماد شریعت سے قطعاً میل نہیں کھاتا، جس کی متعدد وجوہات ہیں، ذیل میں چند ایک کا ذکر ہوتا ہے:

(۱)...... شرعی مہینہ ابتدا و انتہا، عددِ ایام اور دیگر امور میں اہلِ فلک کے متعین کردہ مہینوں سے مختلف ہے، جیسا کہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

(۲)...... شریعت نے ابتدائے ماہِ قمری کو رؤیتِ ہلال سے مرتبط کیا ہے اور یہ صراحت کردی ہے کہ شرعی مہینہ یا ۲۹ دن کا ہوگا یا ۳۰ دن کا، جبکہ اہلِ فلک کے نزدیک رؤیتِ ہلال کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک ہر قمری مہینہ ۲۹ دن بارہ گھنٹے ۴۴ منٹ اور کچھ سکنڈ کا ہوتا ہے، خواہ چاند نظر آئے یا نہ آئے۔

(۳)...... شریعت نے ابتدائے ماہِ قمری کو ایک فطری اور ظاہری چیز سے مرتبط کیا ہے جس میں نہ کوئی مشقت ہے اور نہ ہی اس میں ایسی مشغولیت کہ بندے کو اس کے ضروری کاموں سے روکتی ہو بلکہ اس میں مشغولیت بحکمِ شرع ہے، اسی لیے شریعت نے اس کے لیے ایک دعاء و ذکر بھی سکھلایا ہے جبکہ اہل فلک اس معاملے میں اس سے مختلف ہیں۔

(۴)...... اہلِ فلک کے مذہب پر عمل کرنے کے نتیجے میں بعض صحیح احادیث پر عمل ترک کرنا پڑتا ہے، وہ احادیث جن میں یہ حکم ہے کہ اگر رؤیتِ ہلال اور تمھارے درمیان بدلی وغیرہ حائل ہوں تو تیس کی گنتی پوری کرو، اب اگر اہلِ فلک کی بات تسلیم کرلی جائے تو ان حدیثوں کا کیا فائدہ؟ بلکہ اس طرح تو وہ تمام حدیثیں بے کار اور ردی کی ٹوکری کی نذر ہوجائیں گی۔ ❶

خلاصۂ کلام یہ کہ قمری مہینوں کے بارے میں علمِ فلک پر اعتماد شریعتِ محمدیہ سے قطعاً میل نہیں کھاتا۔ اس لیے اس مسئلہ کو اپنی حالت پر رہنے دیا جائے اور امت کو اس میں الجھا کر ان کے درمیان متفق علیہ مسئلے کی اجتماعیت کو پاش پاش نہ کیا جائے، یہی سلامتی کا راستہ ہے کیونکہ قمری مہینوں کی ابتدا وانتہا کا مسئلہ امتِ مسلمہ میں متفق علیہ چلا آرہا ہے، اور وہ علماء جن کے اجماع کا اعتبار ہے اس پر متفق رہے ہیں کہ اس بارے میں اہلِ فلک اور حسابِ نجوم کا کوئی اعتبار نہیں ہے، عصرِ حاضر میں بھی یہ مسئلہ علماء کے درمیان بحث ومناقشہ کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہے، چنانچہ مملکتِ سعودی عرب کے مقتدر علماء کی کمیٹی نے متفقہ طور پر اپنی ایک قرارداد میں تحریر کیا کہ:

"فبعد دراسة ما أعدته اللجنة الدائمة في ذلك وبعد الرجوع الى ما ذكره اهل العلم فقد أجمع اعضاء الهيئة على عدم اعتبار ه لقوله عليه الصلاة والسلام: [صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ] الحديث ولقوله عليه الصلاة والسلام: [لا تصوموا حَتّٰى تَرَوْهُ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ]الحديث." ❷

اِسی طرح رابطہ عالمِ اسلامی کی فقہی کمیٹی کے اعضاء کے پاس سنگا پور سے سوال آیا

---

❶ فقه النوازل ج۳ ص۳۱۸ اور اس کے بعد، معرفة اوقات العبادات ج۳ ص۸۷تا۹۰۔ دیکھیئے اس بحث کے آخر میں ضمیمہ۔

❷ ابحاث هيئة كبار العلماء ج۳ ص۳٤.

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سنگا پور کی جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ اور المجلس الاسلامی کے درمیان اختلاف پیدا ہوا گیا ہے، جمعیت کا یہ خیال ہے کہ اس سال یعنی ۱۳۹۹ھ میں ماہِ رمضان کی ابتدا کو رؤیتِ ہلال کے ذریعے ہی مانا جائے، جبکہ مجلسِ اسلامی کا خیال تھا کہ کیونکہ ایشیا کے اس علاقے خصوصاً سنگاپور میں عمومی طور پر مطلع ابر آلود رہتا ہے، اس لیے ابتدائے ماہِ مبارک کو حسابِ فلکی کے ذریعے تسلیم کرلیا جائے، اس سلسلے میں اعضائے مجلس کی کیا رائے ہے؟

مجمع الفقہ الاسلامی کی کمیٹی نے متفقہ طور پر اس کا جو جواب دیا تھا، اسے ذیل میں بلفظہٖ نقل کردیا جاتا ہے:

”وبعد أن قام أعضاء مجلس المجمع الفقهی الاسلامی بدراسة وافية لهٰذا الموضوع على ضوء نصوص الشريعة، قرر مجلس المجمع الفقهی الاسلامی تأييده لجمعية الدعوة الاسلامية فيما ذهبت اليه لوضوح الأدلة الشرعية في ذلك۔ كما قرر انه بالنسبة لهٰذا الوضع الذی يوجد في أماكن من سنغافوره وبعض مناطق آسيا وغيرها، حيث تكون سماء ها محجوبة بما يمنع الرؤية فإن للمسلمين في تلك المناطق وما شابهها ان يأخذوا بمن يثقون به من البلاد الاسلامية التی تعتمد على الرؤية البصرية للهلال دون الحساب بأي شكل من الأشكال عملاً بقوله ﷺ: [صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَافْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ] وقوله ﷺ: [لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ، أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ] وما جاء في معناهما من الأحاديث.“ [1]

---

[1] مجلة مجمع الفقه الاسلامی عدد۲ جلد۲ ص۹۶۹، ۹۷۰.

’’المجمع الفقهي الاسلامی کےممبران نے اس موضوع سے متعلق شرعی نصوص پر مکمل غور وخوض کرنے کے بعد، نیز اس بارے میں واضح دلائل کی بنیاد پر جمعیت الدعوۃ الاسلامیۃ کی تائید کا فیصلہ کیا ہے۔

نیز سنگاپور کے بعض وہ علاقے جہاں آسمان چھپا رہتا ہے اسی طرح اِس جیسے ایشیا کے دوسرے علاقوں کی صورتِ حال سے متعلق کہ جہاں رؤیتِ ہلال ممکن نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان میں کسی ایسے اسلامی ملک پر اعتماد کریں جہاں کے لوگ رؤیتِ ہلال کے بارے میں صرف نظر (دیکھنے) پر اعتماد کرتے ہیں اور کسی بھی طرح حساب پر اعتماد نہیں کرتے ہیں، آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہ آپ نے فرمایا: ((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ يَوْماً.)) اور آپ ﷺ کے اس فرمان کہ ((لَا تَصُوْمُوْ حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ اَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ اَوْتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ.)) اسی طرح دیگر احادیث کی بنیاد پر جو اس بارے میں مروی ہیں۔‘‘

فصل: ۲

مطلع کی تعریف

مطلع طلوع مصدر کا اسم ظرف ہے۔طلوع کے معنیٰ ہیں نکلنا،طلوع ہونا،ظاہر ہونا۔اس طرح مطلع کا معنیٰ ہوا، طلوع ہونے کی جگہ۔اسی مناسبت سے چاند اور سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کو مطلع کہتے ہیں۔

مطلع سے ہماری مراد ماہِ نو کا مشرق کی جانب چھپ جانے کے ایک یا دو دن بعد مغرب کی جانب ظاہر ہونے کی جگہ ہے۔اِس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک ہی خط طول البلد پر واقع تمام مقامات پر سورج اور چاند ایک ہی وقت میں طلوع ہوں گے اور ایک ہی وقت میں غروب ہوں گے۔ مثلاً حیدرآباد سندھ،کابل اور تاشقند کا طول البلد تقریباً ۶۸ درجہ مشرق ہے۔اگر حیدرآباد سندھ میں سورج صبح ۶ بج کر ۲۲ منٹ پر طلوع ہوگا تو کابل اور تاشقند میں بھی اسی وقت طلوع ہوگا۔اسی طرح اگر تاشقند میں چاند،غروبِ آفتاب کے بعد نظر آگیا ہے تو ان مقامات پر ضرور نظر آنا چاہیے بشرطیکہ بادل یا فضا کی آلودگی آڑے نہ آئے۔لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حیدرآباد سندھ،کابل اور تاشقند کا مطلع ایک ہی ہے۔

اس کی مزید وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک مقام(الف)مقام(ب) سے پورے''۱۸۰'' درجہ مغرب میں واقع ہے یعنی اگر مقام (ب) کا طول البلد''۷۵'' درجہ مشرق ہوتو مقام(الف)''۱۸۰'' درجہ مغرب ہے۔تو ۲۳ مارچ یا ۲۳ دسمبر کو جس وقت مقام (ب) میں سورج طلوع ہوگا، مقام(الف) میں غروب ہو رہا ہوگا اور وہاں رات شروع ہو جائے گی تو گویا مقام (ب) اور مقام (الف) کے مطالع ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ [1]

[1] الشمس والقمر بحسبان ، مجله الدعوة جلد١٤ ، شماره ١٢ ص٤١۔

اختلافِ مطالع ایک حقیقت ہے:

رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں اختلاف مطالع ایک ایسی حقیقت ہے جس پر علمائے دین اور اہلِ فلک کا اتفاق ہے۔ اس بات پر سبھی علماء متفق ہیں کہ جس طرح ایک شہر سے دوسرے شہر میں سورج کے طلوع اور غروب کا فرق ہے بعینہٖ اسی طرح ہلالِ ماہِ نو کے طلوع وعدمِ طلوع کا بھی فرق رہتا ہے۔ [1]

اختلافِ مطلع کیوں؟

علمائے جغرافیا نے دوری و نزدیکی کے فرق کو واضح کرنے، دو ملکوں کے درمیان مسافت کی تحدید، سطحِ ارض پر جگہوں کی اور دنیا کے مختلف ممالک میں اوقات کی تعیین کے لیے زمین کو خطوط طول وعرض (وہمی) میں تقسیم کیا ہے۔ جو خط شمال سے جنوب کو جاتا ہے اس کو خط طول البلد کہتے ہیں اور جو خط مشرق سے مغرب کو جاتا ہے اسے خط عرض البلد کہتے ہیں۔ اس خط کا مرکز شہر لندن کے مشہور قصبہ گرینچ کو قرار دیا گیا ہے۔ اب جو شہرِ لندن سے شرق میں واقع ہیں انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اتنے درجہ شرق طول البلد پر واقع ہیں۔ اور جو شہر لندن سے غرب میں واقع ہیں، انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اتنے درجہ غرب طول البلد پر واقع ہیں۔ مطلع کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے طول البلد (longitude) اور عرض البلد (latitude) کو سمجھنا ضروری ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، [2] البتہ اختصار کے ساتھ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگر دو شہر ایک ہی طول البلد یا قریب قریب طول البلد پر واقع ہیں تو دونوں شہروں میں لمبی مسافت کے باوجود اختلاف مطلع کا اثر نہیں ہوتا۔ مثلاً مدراس اور کشمیر، یا ریاض اور ماسکو تقریباً ایک ہی طول البلد پر واقع ہیں، اس لیے ان میں سورج اور چاند کے مطالع کا فرق نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر دو شہر ایک ہی خط عرض البلد پر واقع ہیں تو ان

---

[1] دیکھئے: الاختیارات الفقهية ص ١٠٦ ، رحمة الامة ص ١٩٤ ، تنبيه الغافل والوسنان ص ١٠٤ ، ارشاد اهل الملة ص ٢٧٣ ، ابحاث هيئة كبار العلماء ص ٣/ ٣٣۔

[2] اہل ذوق کیلئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی کتاب ''الشمس والقمر بحسبان'' کافی مفید ہے۔

میں مطلع کا فرق پڑ سکتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ رؤیتِ ہلال پر بحث کرتے ہوئے اس نکتے کو سامنے رکھا جائے۔اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے ہم ذیل میں مولانا محمد یحییٰ اعظمی کے ایک طویل مضمون کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔ یہ طویل مضمون فتاویٰ ثنائیہ جلد اول، کتاب الصیام میں موجود ہے۔ہم اس مضمون سے صرف رؤیت اور اختلافِ مطالع کا حصہ نقل کرتے ہیں۔مولانا لکھتے ہیں:

''اچھا اب آپ رؤیتِ ہلال کے وقت سے چاند کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے، کس قدر باریک اور سورج کے قریب ہوتا ہے پھر دوسرے دن شام کو دیکھیۓ تو آپ کو قدرے بڑا اور مشرق کی جانب دور نظر آئے گا۔ پھر تیسرے دن اور بڑا اور زیادہ جانبِ مشرق دوری پر معلوم ہوگا۔ بات یہ ہے کہ چاند سورج سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا روشن حصہ ہماری طرف رخ کرتا جاتا ہے۔اسی طرح دیکھتے رہیۓ یہاں تک کہ چودھویں شب اور کبھی تیرہویں شب اور پندرہویں شب کو چاند سورج کے مقابل جانبِ مشرق ''۱۸۰'' درجہ یعنی نصف دورِ فلک کی دوری پر ہوتا ہے۔اگر سورج مغربی افق میں اپنا سر چھپا رہا ہے تو چاند افق شرقی سے اپنی نورانی شعاعیں ہم پر پھینک رہا ہے۔گویا آمنے سامنے برابر کا جوڑ ہے۔اسی استکمال کی حالت میں ہم چاند کو بدر یا ماہ کامل اور اس تاریخ کو پورنماشی کہتے ہیں۔اس وقت چاند کا نصف روشن حصہ پورے کا پورا ہمارے سامنے ہوتا ہے۔واضح ہو کہ اسی استکمال کے زمانہ میں اگر چاند، زمین اور سورج ایک خطِ مستقیم پر واقع ہو جائیں تو چاند گرہن ہو جائے گا۔اس کے بعد پھر وہ یوماً، فیوماً سورج کے قریب ہونے لگتا ہے۔اور ہم کو گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اس میں بھی وہی بات ہے، مگر اس کے برعکس کیونکہ چاند کے سورج سے قریب ہوتے رہنے سے اس کا روشن حصّہ ہمارے سامنے سے رخ پھیرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ۲۸ ویں یا ۲۹ ویں شب کو سورج سے ۱۲ درجہ قریب پہنچ کر دو شب اور کبھی ایک شب یا تین شب کے لیے ہماری نظروں سے یکسر غائب ہو جاتا ہے۔اس اجتماع کو ہم محاق یا اوس کہتے ہیں۔اس حالت میں چاند کا نصف روشن حصّہ سورج کی طرف ہوتا ہے اور نصف پچھلا تاریک حصہ
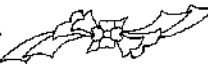
ہمارے سامنے۔واضح ہوکہ اسی اجتماع میں اگر چاند اور سورج میں عرضاً بھی اتنا قرب ہوجائے کہ ہماری نگاہ بخطِ مستقیم چاند سے گذرتی ہوئی سورج پر پڑجائے تو سورج گرہن ہو جائے گا۔یاد رکھئے، اسی زمانۂ محاق میں جس کی مدت اوسطاً ۴۷ گھنٹے ۱۶ منٹ ہے، ایک خاص لمحہ ایسا گذرتا ہے جس میں چانداورسورج کا ایک خط طولی پر، دوسرے لفظوں میں ایک خط نصف النہار پر واقع ہوجانا ضروری ہے اور وہ ساعت وہ ہے، جبکہ ابتدائے محاق سے ۲۳ گھنٹے ۳۸ منٹ گذر جائیں۔بس اب یہیں سے رؤیتِ ہلال کا حساب شروع کیجئے۔

فرض کیجئے کہ جب افق شہرِ اعظم گڑھ سے جو ''۸۳'' درجہ(degree) ۱۳ دقیقہ (minutes) طول البلد پر واقع ہے،٦ بجے آفتاب غروب ہوااور ۶بجکر ۲۲ منٹ سے چندسیکنڈ پہلے چاند اور سورج میں اجتماعِ حقیقی ہو گیا اور ایک خط طولی پر دونوں واقع ہو گئے۔پھر رات بھر اور دن بھر حرکت کرتے رہے یہاں تک کہ ۲۳ گھنٹے ۳۸ منٹ بعد یعنی ۶ بجے سے چندسیکنڈ پہلے چاند،سورج سے'' ۱۲'' درجے دوری پر مشرق میں پہنچ کرقوس الرؤیۃ کے لباس سے آراستہ ہوگیا۔بس یہی وہ اولین ساعت ہے کہ چاند ہلال بن کر فلکِ اول پر تاباں ہو جاتا ہے۔اور دنیا بھر کے انسانوں کی نگاہیں اس کے دیکھنے کی متمنی ہوتی ہیں،اگر ابر،گردوغبار، کہر اور دیگر اسباب، رؤیت سے مانع نہ ہوں تو پھرکوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم کو یہ ننھا منا سا ہلال چمکتا ہوا دکھائی نہ دے۔

خیال فرمائیے یہ تو اعظم گڑھ کا مطلعِ قمر ہے، اب اعظم گڑھ کے مغرب، کراچی،مکہ معظّمہ، قاہرہ،تیونس،اور جزائر کناریا (جزائر خالدات) میں بسنے والے انسان سب کے سب بشرطِ رفع موانع اپنے اپنے مطلع سے بلا شبہ ہلال دیکھیں گے۔فرق یہ ہے کہ ہم اعظم گڑھ میں غروب کے وقت اگر ۶ بجے ہلال دیکھتے ہیں تو کراچی میں ۷ بجکر ۵ منٹ، مکہ میں ۸ بج کر۵۲ منٹ، قاہرہ میں ۹ بج کر ۲۷ منٹ، تیونس (افریقہ) میں ۱۰ بج کر ۵۲ منٹ اور جزائر کناریا (مغربی افریقہ) میں ۱۲ بج کر ۴۵ منٹ پر (اعظم گڑھ میں نصف شب گذر چکی ہے)بوقتِ غروبِ آفتاب ہلال نظر آئے گا۔لیکن نسبتاً مغربی شہر والے اپنے مشرق والوں

سے ہلال بڑا اور سورج سے دور دیکھیں گے۔اب چونکہ ہلال فلک پر موجود ہے اس لیے مذکورہ بالا شہروں کے باشندے اگر اپنی نگاہ کی تیزی سے دن ہی دن میں چاند دیکھ لیں تو کچھ عجب نہیں مگر یہ ان کے لیے سخت دشوار ہے۔

اچھا اب ذرا اور آگے بڑھو تو آپ کو نیو یارک (امریکہ) میں ۴ بجکر ۲۹ منٹ اور واشنگٹن (امریکہ) میں ۷ بجکر ۳۳ منٹ پر (اعظم گڑھ میں طلوعِ شمس ہو چکا ہے) بوقتِ غروبِ آفتاب ہلال نظر آجائے گا۔مگر ان کا ہلال جزائر کناریا والوں سے بڑا اور سورج سے اور بھی دوری پر ہوگا۔ یہ لوگ اگر دن میں ہلال دیکھ لیں تو بعید نہیں مگر یہ بھی دشوار ہے۔

اب یہاں سے یہ بھی مسئلہ حل کر لیجئے کہ رؤیتِ ہلال قبل نصف النہار اور بعد نصف النہار بھی ممکن ہے۔کیونکہ ان اوقات میں ہلال فلک پر موجود ہے۔اور اس کا آنیوالی شب کا ہلال ہونا بھی ظاہر ہے۔

اچھا امریکہ سے گذرتے ہوئے اب ذرا اور آگے بڑھیئے تو ٹوکیو (جاپان) میں ۲ بج کر ۱۴ منٹ (اعظم گڑھ میں بعد دوپہر کا وقت ہے۔) اور آگے بڑھیئے تو شہرِ برما میں ۵ بج کر ۵ منٹ پر (اعظم گڑھ میں غروب کو ۵۵ منٹ باقی ہیں) غروبِ آفتاب ہوگا۔اس وقت وہاں ہلال نظر آئے گا۔اور ان لوگوں کا ہلال علی الترتیب کافی بڑا اور سورج سے کافی فاصلے پر ہوگا۔یہی وہ لوگ ہیں جو دن میں بہت آسانی سے ہلال دیکھ سکتے ہیں۔خصوصاً برما کے باشندے کیونکہ ان کا ہلال سب سے بڑا اور سورج سے کافی (تقریباً ۲۳،۳/۴) درج دوری پر ہوگا۔لیکن اس ہلال کا بھی آنیوالی شب کا ہلال ہونا ظاہر ہے۔مگر غروب کے وقت جب اہلِ برما ہلال دیکھتے ہیں تو کوئی کہتا ہے یہ تو کل کا ہے اور کوئی خیال کرتا ہے، یہ تو پرسوں کا ہے۔قربان جایئے ۔ نبیٔ اُمی ﷺ پر، وہ فرماتے ہیں: ''نہیں نہیں تم کو دھوکہ ہورہا ہے، یہ تو آج ہی کا ہلال ہے۔

((عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ قَالَ تَرَائَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ

بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ ، قَالَ: فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ ، فَقَالَ: أَيُّ لَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ ، قَالَ فَقُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَدَّهٗ لِلرُّوْيَةِ فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ .))[1]

''حضرت اَبُوالبختر ی رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم عمرہ کے لیے نکلے تو جب وادیٔ نخلہ میں اُترے تو ہم نے چاند دیکھا،بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری کا چاند ہے،اور کسی نے کہا یہ دوراتوں کا چاند ہے،تو ہماری ملاقات حضرت ابن ِعباس رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو ہم نے اُن سے عرض کہا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے،کوئی کہتا ہے کہ تیسری تاریخ کا چاند ہے،کوئی کہتا ہے دوسری کا چاند ہے،تو حضرت ابن ِعباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم نے کس رات چاند دیکھا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ فلاں فلاں رات کو، تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایاہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کے لیے اُسے بڑھا دیا ہے، درحقیقت وہ اسی رات کا چاند ہے جس رات تم نے اُسے دیکھا۔''

حاصل ِکلام یہ کہ جب افق ِاعظم گڑھ پر وقت ِمقررہ میں ہلال کا وجود ہو چکا تو اب اس کے آگے مغرب میں جہاں تک بھی چلے جایئے کوئی ملک،شہراوربستی ایسی نہ ہوگی جس کے افق پر ہلال کا وجود نہ ہو۔یہ اور بات ہے کہ عارضی موانع سے وہاں کے باشندے نہ دیکھ سکیں،اسی کو اختلاف ِرؤیت کہتے ہیں۔اب اگر ہلال کا صحیح ثبوت مل جائے تو حکم شرع نافذ کیا جائے گا ورنہ نہیں۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اہل مشرق کی رویت سارے کے سارے مغرب والوں کے حق میں ہلال کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔اس لیے اگر مشرق سے ثبوت ہلال کی صحیح سند مل جائے تو بلا شبہ شرعی احکام نافذ ہوں

[1] صحيح مسلم: ج١ ص٣٤٨ . حديث نمبر:١٠٨٨

گے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہلال کا چھوٹا بڑا ہونا کوئی چیز نہیں، ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔

اب ہم اختلاف مطالع کی بحث سمجھانا چاہتے ہیں۔بس پھر وہیں سے حساب شروع کیجئے، جبکہ افقِ اعظم گڑھ پر ۶ بجنے سے چند سیکنڈ پہلے چاند سورج سے ''۱۳'' درجے دور، قوس الرؤیۃ پر پہنچ کر ہلالی شکل میں نمودار ہوا۔اب ذرا اعظم گڑھ سے مشرق میں چلیے مگر ''۱۲'' درجہ سے زیادہ نہیں جیسے پٹنہ، بھاگلپور، ڈھاکہ، سلہٹ، منی پور (آسام)، جب اعظم گڑھ میں ظہورِ ہلال ہوا تو وہ ہلال ان سب شہروں کے باشندوں کے افق کے اوپر ہے۔علیٰ الترتیب ان لوگوں کا ہلال ان کے افق سے قریب اور قریب تر ہونے کی وجہ سے ان کو نہ دکھائی دے گا۔منی پور ان سب شہروں میں سب سے دور اور اعظم گڑھ سے ''۱۰'' درجہ ۴۵ دقیقے فاصلہ پر ہے۔ان کا ہلال تو بس افق سے اتنا قریب ہوگا کہ صرف ۵ منٹ باقی رہ کر افق سے غروب ہو جائے گا۔اب ان شہروں کے باشندوں کو اگر ہلال کا صحیح ثبوت پہنچ جائے تو احکامِ شرع نافذ ہوں گے۔اور یہ حکم ہماری تقریبی ''۱۲'' درجہ قوس الرؤیۃ کی بنا پر اعظم گڑھ سے ''۱۲'' درجہ مشرق تک عائد ہوگا اور بس۔

اچھا اب ''۱۲'' درجہ سے بڑھ کر تیرہویں درجہ پر کھڑے ہو جائیے۔اب چونکہ اعظم گڑھ میں ہلال '' ۱۲'' درجہ بلند ہے اور آپ اعظم گڑھ سے ''۱۲'' درجہ مشرق کو ہٹ کر تیرہویں درجہ پر قدم رکھ چکے ہیں اس لیے چاند قوس الرؤیۃ پر پہنچنے کے ساتھ ہی آپ کے افق سے نیچے ہوگا۔مثال میں شہرِ برما کو لے لیجئے جو ''۹۷'' درجہ طول البلد پر اور اعظم گڑھ سے '' ۱۳'' درجہ ۴۷ دقیقہ مشرق کو ہے لے لیجئے، جب افقِ اعظم گڑھ سے ظہورِ ہلال ہوا تو برما کے افق سے ایک درجہ ۴۷ دقیقے نیچے پہنچ چکا ہے۔اب باشندگانِ برما کے لیے رویتِ ہلال کسی بھی آلے اور رصد سے ممکن نہیں۔بس یہی اختلاف مطالع ہے۔اعظم گڑھ کے مطلع پر ہلال ہے اور اہلِ برما کا مطلع ہلال سے خالی ہے۔اب جتنا بھی مشرق (ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) میں چلے جائیے رؤیتِ ہلال کسی کے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے مطالع ہلال سے خالی ہیں۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اہلِ مغرب کی رؤیت کا تمام مشرق والوں کے حق میں ہلال ثابت کردینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف ''۱۲'' درجہ مشرق (ہماری تقریبی قوس الرؤیۃ) تک یہ حکم قطعی طور سے لگایا جاسکتا ہے اور اس کے بعد نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کی تحقیق کے لیے اوسطاً ''۱۲'' درجہ (ہماری تقریبی قوس الرویۃ) کا فصل ضروری ہے۔ جس کا ۸۳۳ میل ہوتا ہے۔ [1]

اختلافِ مطالع کے باب میں ایک اہم سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اختلاف مطالع کی حدود کا اعتبار کس بنیاد پر کیا جائے؟ کیا اس کے لیے کوئی ضابطہ ہے جسے علماء یا ذمہ داران کے سامنے رکھا جائے؟ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ رؤیت کے لیے مطلع کا اعتبار کیا جائے گا، تو اس میں ایک مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ہر شخص اور ہر عالم یا ہر حاکم یہ نہیں جانتا کہ جس مقام پر رؤیتِ ہلال کا ثبوت ہوا ہے وہاں مطلع کی حد کیا ہے؟ اس لیے ضروری ہے کہ اس معاملے کو کسی ضابطے کے تحت لایا جائے، تاکہ جب بھی کسی جگہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت ہو وہاں کے لوگ یا کم از کم اس کے اردگرد رہنے والے اہلِ علم یہ جان لیں کہ فلاں فلاں علاقوں کے لیے فلاں علاقے کی رویت معتبر ہے۔ اور فلاں فلاں جگہ کے لیے معتبر نہیں ہے۔

اس سلسلے میں راقم سطور کی رائے یہ ہے کہ ہر ملک میں اہلِ علم اور اہلِ فن دونوں کے مشورے سے کسی قرار کو پاس کیا جائے اور جگہ جگہ کے مراکز میں موجود ذمہ دار حضرات تک یہ بات پہنچادی جائے، خوش قسمتی سے ہمارے ہندو پاک کی سرزمین اس قسم کے اہلِ فکر و نظر سے خالی نہیں ہے۔

سرِ دست میرے سامنے دو رائیں قابلِ قبول ہیں۔ جنہیں آپ لوگوں کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس کی روشنی میں اہلِ علم کسی ایک نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں، اور یہ دونوں رائیں اس کے علاوہ ہیں، جس کا ذکر مولانا اعظمی کے بیان میں ابھی ابھی گزرا ہے، اس طرح کل تین صورتیں سامنے آتی ہیں، واضح رہے کہ رابطۂ عالمِ اسلامی کے تحت کام کرنے والی کمیٹی

[1] فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۷۰ اور اس کے بعد۔

"مجمع الفقه الاسلامی" میں یہ موضوع بار بار پیش ہو چکا ہے، جس سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلی رائے:...... رابطۂ عالمِ اسلامی کے "مجمع الفقه الاسلامی" کے دورۂ ثانیہ میں ڈاکٹر محمد عبداللطیف الفرفور نے اختلافاتِ مطالع اور اس کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک طویل مقالہ پیش کیا جس کے آخر میں اپنی یہ رائے پیش کی کہ سارے عالم کو تین بڑے زون (علاقوں) میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر زون (Zone) کی رؤیت اس پورے علاقے کے لیے ثابت مانی جائے۔

(۱)...... قارۂ اُمریکہ ایک زون، اس میں امریکہ جنوبیہ، شمالیہ، کینیڈا، برازیل اور اس علاقے کے تمام جزیرے شامل ہیں۔

(۲)...... مغربِ اقصیٰ سے لے کر جزیرۂ عربیہ تک ایک زون، جس میں بلادِ شام، مصر، سوڈان وغیرہ تمام علاقے شامل ہیں۔

(۳)...... خلیجِ عربی سے جاپان تک ایک زون اس میں جاپان اور اس کے اِرد گِرد کے جزیرے شامل ہیں۔

دوسری رائے:...... مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیلانی رحمہ اللہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے "مطلع کی حدود" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ علم ہیئت کی رو سے آس پاس کے علاقے کی حدود کیا ہیں؟ اگر چاند بالکل ہمارے سر پر چمک رہا ہو تو اسے ہم "۹۰" درجہ کے زاویہ کی بلندی قرار دیتے ہیں۔ یہ چاند سات دنوں میں مغربی افق سے نصف آسمان تک پہنچا ہے۔ گویا یہ سات دن میں "۹۰" درجے کا فاصلہ طے کر کے آیا ہے۔ چونکہ ہر گول چیز کے "۳۶۰" درجے قرار دیئے گئے ہیں، لہٰذا چاند کا آسمان پر درجوں کے حساب سے فاصلہ اور ہمارا زاویہ نگاہ ایک ہی بات ہے۔"

بالکل ایسے ہی صورتِ حال زمین کے درجات طول البلد کی ہے۔ ایک ہی طول البلد

پر واقع تمام شہروں یا ملکوں کا چاند و سورج دونوں کے حساب سے مطلع ایک ہی ہوتا ہے۔
جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مقام (الف) پر ہلال ''۸۱'' درجے زاویہ بلندی پر مشاہدہ کیا گیا تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

(۱)...... یہ ہلال سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹہ ۱۵ منٹ بعد غروب ہوگا۔ اور شفق کی وجہ سے نمازِ مغرب کے بعد ہی نظر آ سکتا ہے۔

(۲)...... مغرب میں اس چاند کا مطلع غیر محدود ہے اور مغربی مقامات میں اس کا نظر آنا بہر حال یقینی ہے۔

(۳)...... مشرق میں اس کے مطلع کی حد ''۵'' درجے مزید طول البلد مشرقی کا فاصلہ ہوگا۔ کیونکہ ''۱۳'' درجہ کا چاند نظر نہیں آتا۔

''5'' درجے مشرق میں واقع مقام (ب) پر یہ چاند نظر آئے گا اور پانچ درجے طول البلد کا سیدھا شرقاً غرباً فاصلہ:

(الف) خط استواء پر 5x 69,1/2 میل ہوگا۔ = 346 میل سیدھا مشرق کو۔

(ب) خط جدی یا سرطان پر 5x67=335 میل سیدھا مشرق کو ہوگا۔

(ج) ''66,1/2'' درجے جدی یا خط سرطان پر تقریباً 5x46=230 میل سیدھا مشرق کو ہوگا۔

(د) ''66,1/2'' درجے کے اوپر کے مقامات پر رؤیت ہلال پر ایک دم بہت زیادہ اثر پڑ جاتا ہے۔

یہی وہ فاصلہ ہے جسے ایک مطلع کی حد شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس میں وہ فاصلہ بھی شامل ہے؟ جن لوگوں نے یہ نیا چاند دیکھ لیا ہے اور وہ فاصلہ بھی جہاں کے لوگ اسے دیکھ سکتے ہیں۔

مطلع کی حدود کے متعلق آئمۂ سلف کے اقوال میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن آجکل طول البلد کے تعین اور اس کے مطابق معیاری وقت کے تعین نے اس مسئلہ کو کافی حد

تک حل کر دیا ہے۔ کئی اسلامی ممالک میں سارے ملک میں معیاری وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ خواہ اس کا فاصلہ ''۱۵'' ڈگری طول البلد سے زیادہ ہو۔ مثلاً سعودی عرب ''35'' درجے سے ''56'' درجے طول البلد شرقی یعنی ''21'' درجے پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ملک بھر میں ان کا معیاری وقت ایک ہی ہے۔ یعنی گرینچ ٹائم سے تین گھنٹے پہلے۔ رؤیتِ ہلال کے لیے حکومت کمیٹی مقرر کر دیتی ہے، جو شہادتوں کی توثیق کے بعد رؤیتِ ہلال کا اعلان کر دیتی ہے۔ اور اس کو پورے ملک کی رؤیت قرار دے دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکومت نے ملک بھر کے لیے ایک ہی مطلع قرار دیکر اختلاف کو ختم کر دیا ہے۔

ایسی ہی صورتحال بھارت میں ہے۔ جس کا طول البلد ''70'' تا ''89'' یعنی ''19'' درجے ہے۔ وہاں بھی ایک ہی معیاری وقت ہے۔ اور وہاں کی رؤیت بھی ملک بھر کے لیے ایک ہی رؤیت ہے۔ البتہ چند ممالک ایسے بھی ہیں جو بہت زیادہ درجوں پر پھیلے ہوئے ہیں مثلاً چین، روس اور کینیڈا۔ ان کے مختلف علاقوں میں معیاری وقت بھی الگ ہیں۔ اور اسی طرح مطالع بھی۔ ❶

❶ الشمس والقمر بحسبان . . . . مجله الدعوة جلد ١٤ شماره ١٢ صفحه ٨٣ .

وحدتِ رؤیت

پچھلی بحث سے واضح ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کے دینی و دنیوی معاملات قمری مہینوں سے مربوط ہیں۔ اور قمری مہینوں کی صحیح معلومات کا ذریعہ رؤیتِ ہلال ہے، اس لیے شریعت نے رؤیتِ ہلال کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے قول وعمل میں رؤیتِ ہلال کی ترغیب اور اس کی تاکید پائی جاتی ہے۔ لہٰذا قمری مہینوں کی ابتدا اور انتہا میں صرف رؤیتِ ہلال پر ہی اعتماد کیا جائے گا۔

رؤیتِ ہلال کے بارے میں یہ بھی ایک علمی حقیقت ہے کہ اختلاف مطالع امرِ واقع ہے اور یہ چیز صرف علمی حقیقت ہی نہیں بلکہ ایک بدیہی امر ہے۔ اسی لیے علمائے امت متفقہ طور پر اختلاف مطالع کو تسلیم کرتے ہیں۔

مذکورہ امور کے بارے میں چند سرسری معلومات حاصل کر لینے کے بعد اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دینی معاملات خصوصاً روزہ، عید، حج اور قربانی وغیرہ کے بارے میں وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہے یا کہ نہیں؟ یعنی اگر دنیا کے کسی گوشے میں چاند نظر آ گیا تو یہ رؤیت تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے کافی ہوگی یا ہر شہر و ملک والوں کو اپنی اپنی رؤیت کا اِہتمام کرنا ہوگا۔

اس فصل میں یہی چیز زیرِ بحث آئے گی۔ بلکہ یہی اس مقالہ کا اصل موضوع ہے۔

وحدتِ رؤیت سے متعلق مختلف اقوال کا اجمالی بیان

بنیادی طور پر اس سلسلے میں علماء کے دو قول ہیں:

اول:...... اختلافِ مطالع ایک علمی حقیقت ہے، لیکن صوم و افطار میں اس کا اعتبار نہیں

ہوگا بلکہ ایک جگہ کی رؤیت ساری دنیا کے لیے کافی ہوگی۔ اس خیال کے علماء میں سوادِ اعظم کی رائے یہ ہے کہ دنیا کے کسی حصہ میں اگر چاند ہوگیا تو سارے عالم کے لیے یہ رؤیت کافی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے۔ ❶

بعض متأخرین کا کہنا ہے کہ سارے عالم کے لیے اہلِ مکہ کی رؤیت کا اعتبار ہوگا۔ علّامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس رائے پر بہت زور دیا ہے۔ ❷

دوم:...... وحدتِ رؤیت کا نظریہ صحیح نہیں ہے، بلکہ مسافت کے لحاظ سے رؤیتِ ہلال میں فرق کا واقع ہونا ایک بدیہی امر ہے، پھر کتنی مسافت تک وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا اور اس کے بعد نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱)...... جن علاقوں کا مطلع ایک ہوگا وہاں تک وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا اور اگر مطلع کا فرق واقع ہوگیا تو اختلافِ رؤیت ناگزیر ہے۔

امام ابن عبد البر امام خطابی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام نووی رحمہم اللہ اور محققین کی ایک بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے بلکہ کاتبِ مقالہ کی تحقیق کے مطابق جمہور محدّثین اور شارحین حدیث اسی طرف گئے ہیں۔ ❸

(۲)...... جتنی مسافت تک بغیر کسی مانع کے رؤیتِ ہلال ممکن ہو وہاں تک کے لیے وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا اس کے بعد نہیں۔

امام سرخسی کا یہی قول ہے: ❹

یہ قول اس سے قبل مذکور قول یعنی اختلافِ مطالع کے قریب قریب ہے صرف تعبیر کا فرق ہے اور اسی معنیٰ میں قدیم علماء کا یہ قول بھی ہے کہ: [لِكُلِّ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ] واللہ اعلم۔

---

❶ تمام المنة صفحه ٣٩٨ .

❷ دیکھئے علامہ مرحوم کا رسالہ اوائل الشهور العربية ص ٢١ .

❸ التمهيد : ١٤ / ٣٥٨۔ الاختيارات الفقهية ص ١٠٦۔ المجموع :٦ / ٢٢٧ .

❹ فتح الباری: ٤/ ١٢٣۔ المرعاة : ٦/ ٤٢٦ .

(۳)......مسافتِ قصر تک وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا اس کے بعد نہیں۔

یہ مسلک خراسان کے علمائے شافعیہ اور بعض حنابلہ کا ہے۔ ❶

(۴)...... ایک اقلیم [علاقہ،صوبہ] میں وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا،البتہ ایک اقلیم کی رؤیت کسی دوسری اقلیم میں معتبر نہیں ہوگی۔

احناف میں حسین بن علی الصیمری م ۴۳۶ اور بعض فقہائے شافعیہ کا یہ قول ہے۔ ❷

(۵)......ایک امام کے زیرِ تصرّف شہروں کے لیے وحدتِ رؤیت معتبر ہوگی،اس کے علاوہ نہیں۔مشہور مالکی فقیہ وامام عبدالملک بن الماجشون کا یہی قول ہے۔ ❸

فقیہِ عصر علّامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اجتماعی اعتبار سے اسے قوی قرار دیا ہے۔ ❹

(۶)...... اگر دو شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک شہر میں ظہر کا وقت ہے تو دوسرے شہر میں عصر کا وقت یعنی ایک شہر میں ایک نماز کا وقت داخل ہوا تو دوسرے شہر میں دوسری نماز کا وقت داخل ہوگیا تو وحدتِ رؤیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ❺

(۷)...... رات ہی رات میں جہاں تک خبر پہنچائی جا سکے وہاں تک وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا اس کے بعد نہیں۔ ❻

---

❶ العلم المنشور ص ۲۸ ، المجموع :ج٦ ص۲۲۷ ، فتح العلام:٤ / ١٦ .

❷ ا لمجموع :٦/ ٣٣٧۔ فتح الباری :٤ / ١٢٣۔ العلم المنشور :ص ٢٧ .

❸ طرح التثریب : ٤ / ١١٦۔ العلم المنشور ٣٧ .

❹ الشرح الممتع : ٦ / ٣٢٣ .

❺ مجلة الاعتصام : ج٤٧ عدد٣ .

❻ الشرح الممتع: ٣٢٦ .

مذکورہ اقوال کا تفصیلی بیان اور دلائل کا جائزہ

وحدتِ رؤیت کے دلائل:

واضح رہے کہ وحدتِ رؤیت پر کوئی صریح دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے صرف بعض آیات واحادیث کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے، ذیل میں ان دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے:

(ا) قرآن سے دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ....﴾ (البقرة : ۱۸۵)

''تم میں سے جوکوئی اس مہینہ کو پالے وہ اس کا روزہ رکھے۔''

وجۂ استدلال یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں خطاب تمام امت کو ہے اور صرف مہینہ پالینے یا چاند دیکھ لینے کو روزہ رکھنے کی علت قرار دیا ہے، نہ تو کسی خاص قوم کو مخاطب کیا ہے اور نہ کسی علاقے کو مخصوص کیا ہے، بلکہ ایک عام حکم ہے، جس کے مخاطب تمام دنیا کے مسلمان ہیں، پھر جب یہ امر متفق علیہ ہے کہ مسلمانوں کے ہر ہر فرد کا چاند دیکھنا شرط نہیں ہے بلکہ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ چاند ظاہر ہونے کی خبر پہنچ جائے، اس لیے امت کے جس جس فرد تک یہ خبر پہنچے گی ان پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا فرض ہوگا۔

اولاً:...... اس استدلال پر ایک شدید اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کے وجوب کو رؤیت ہلال یا ۳۰ دن کی گنتی کے بعد دخولِ شہر سے معلّق کیا ہے خواہ یہ رویت حقیقی ہو یا حکمی، یعنی ایک مسلمان خود چاند دیکھے یا جس جگہ وہ رہتا ہے، وہاں کے رہنے والوں میں سے کوئی چاند دیکھے، پہلی صورت میں تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے حقیقت میں چاند دیکھا ہے

اور دوسری صورت میں کہا جائے گا کہ وہ چاند دیکھنے کے حکم میں ہے یعنی اگر کوئی ظاہری رکاوٹ نہ ہوتی تو وہ شخص بھی فی الواقع چاند دیکھ لیتا، اب سوال یہ ہے کہ وہ شخص جو کسی ایسی جگہ رہ رہا ہے جہاں مطلع کے اختلاف یا کسی اور سبب سے چاند ظاہر ہی نہیں ہوا تو وہاں رؤیتِ ہلال نہ حقیقی ہے اور نہ حکمی ہے پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ شخص ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ کے حکم میں داخل ہے، جبکہ اس کے لیے دخولِ شہر نہ تو حقیقی ہے اور نہ حکمی۔

ثانیاً:...... اللہ کے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف رہا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی مدنی زندگی میں ۹ مرتبہ رمضان آیا لیکن کسی بھی رمضان سے متعلق بسندِ صحیح یا ضعیف یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منوّرہ کی رؤیت کی خبر لوگوں کو بھیجی ہو، یا دوسرے علاقوں کی رؤیت سے متعلق لوگوں سے سوال کیا ہو، یہی عمل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی رہا ہے، اس لیے یہ سوچنے کی بات ہے کہ ایک ہی جگہ کی رؤیت اگر ہر جگہ کے لیے کافی ہوتی تو دور دور تک اس خبر کو پہنچانے کا اہتمام ہوتا یا آنے والی امت کے لیے اس کا صریح حکم دیا جاتا۔ [1]

ثالثاً:...... متعدد واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں بعض علاقوں میں چاند کا ثبوت ہوتا تھا اور بعض دوسرے علاقوں میں نہیں ہوتا تھا جس کی اطلاع دوسروں تک پہنچتی بھی تھی لیکن کسی صحابی و تابعی نے لوگوں کو فوت شدہ روزوں کی قضا کا حکم نہیں دیا۔ [2]

(۲) حدیث سے دلیل:

الف:...... اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا، وَاِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا، فَاِنْ غَمَّ

---

[1] تبیان الأدلة ۷ -معرفة اوقات العبادات ۲ / ٤٦ .

[2] مجموع الفتاوی:۲۵ / ۱۰۸ نیز دیکھئے: التمهید ۱٤ / ۳۵۸ .

عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ .)) ❶

’’جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو افطار کرو۔ پھر اگر تم پر بادل چھا جائیں تو اندازہ کر کے [تیس کی گنتی پوری کرو]۔‘‘

وجہِ استدلال تقریباً وہی ہے جو اس سے قبل گزر چکی ہے یعنی اس حدیث میں خطاب عام امت کو ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے صرف اہلِ مدینہ کو خطاب نہیں فرمایا، بلکہ تمام مسلمانوں سے خطاب کیا ہے اس لیے اگر کسی جگہ رؤیتِ ہلال ثابت ہو جائے تو تمام لوگ اس کے مکلّف ہوں گے۔ ❷

اس دلیل پر بھی وہی اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو اس سے قبل دلیل پر وارد کیئے گیئے، یعنی اس حدیث کے مخاطب وہی لوگ ہیں جن کے نزدیک حقیقتاً یا حکماً رؤیتِ ہلال کا وجود ہوا ہے اور جہاں کے لوگ حکماً یا حقیقتاً رؤیتِ ہلال سے مشرف نہیں ہوئے ان پر یہ حکم کیسے لگ سکتا ہے جس طرح کہ کسی شہر میں جمعہ کی اذان ہو تو وہاں کے لوگوں پر جمعہ کی حاضری ضروری ہوگی لیکن وہ شہر جہاں ابھی جمعہ کا وقت ہوا ہی نہیں انہیں جمعہ کے لیے حاضری کا مکلّف کیسے بنایا جا سکتا ہے، اس لیے حق یہ ہے کہ یہ حدیث اور اس طرح کی تمام حدیثیں عام ہیں جنھیں اختلافِ مطالع میں مذکور دلائل سے خاص کیا گیا ہے۔

ب:...... مشہور تابعی حضرت ربعی بن حراش ایک صحابی ❸ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار مدینہ منوّرہ میں رمضان کے آخر میں اختلاف ہوا [چونکہ مطلع صاف نہیں تھا اس لیے آپس میں گفتگو اور گفتگو میں متضاد باتیں ہونے لگیں] اتفاق سے دو صحرا نشین آئے اور اللہ کا نام لے کر شہادت دی کہ کل شام کو انھوں نے چاند دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ

---

❶ متفق عليه عن ابن عمر، تخریج گزر چکی ہے۔

❷ مجموع فتاوی: شیخ ابن باز: ١٥ / ٧٩۔ معرفة اوقات العبادات ٢ / ٥٠ .

❸ ان صحابی کا نام ابو مسعود عقبہ بن عامر البدری رضی اللہ عنہ ہے، جیسا کہ مستدرک الحاکم میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (١ / ٣٩٧)

روزہ افطار کر دیں اور کل، دوسرے دن، عید گاہ کی طرف نکلیں۔ ❶

وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منوّرہ سے باہر کی رؤیت پر اعتماد کیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ بھی مقبول اور قابلِ حجّت ہے۔

اس استدلال پر اعتراض یہ ہے کہ شام کے وقت چاند دیکھنا اور پھر دوسرے دن چاشت کے وقت مدینہ منورہ پہنچ جانا کوئی ایسی مسافت نہیں ہے جس کی بنیاد پر مطلع کا فرق پڑ جائے اور نہ ہی یہ دوری کوئی ایسی دوری ہے جسے عرف میں دوری کہا جائے بلکہ یہ تو صرف چند میل کا فاصلہ ہوگا کیونکہ اس زمانے کے مسافر عادۃً رات کے آخری حصے میں پڑاؤ ڈالتے تھے، اس لیے حقیقت میں یہ حدیث وحدتِ رؤیت پر نہیں بلکہ کسی اور مسئلے کی دلیل ہے، یعنی اگر کسی علاقے میں بدلی کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے پھر دوسرے دن کسی قریب علاقے سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو اس رؤیت کا اعتبار ہوگا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

ج:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار رؤیتِ ہلال کے لیے باہر نکلے، سامنے سے ایک سوار آتا نظر آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: ملکِ شام سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: کیا تم نے چاند دیکھا؟ اس نے ''ہاں'' میں جواب دیا، یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اَللّٰهُ اَكْبَرُ يَكْفِي الْمُؤْمِنِينَ أَحَدُهُمْ''

''مسلمانوں کے لیے ایک آدمی کا چاند دیکھ لینا کافی ہے۔'' ❷

وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی رؤیت کو تمام مسلمانوں کی

---

❶ سنن ابو داود: ۲۳٤۰ الصوم مسند أحمد: ٥ / ۳٦۲ و ٤ / ۳۱٤، سنن الدارقطنی ۳ / ۱٦۹، امام دارقطنی لکھتے ہیں: ھذا اسناد حسن ثابت نیز دیکھئے: صحیح ابوداود ۳ / ٥٤.

❷ مسند احمد ۱ / ۲۹۔ مسند ابو یعلی [المقصد العلی ص٤۷۷ نمبر ٥۰۰]۔ سنن الدار قطنی ۳ / ۱٦۸، ۱٦۹۔ الفاظ ابویعلیٰ کے ہیں۔

رؤیت قرار دیا۔ اختلافِ مطالع یا کسی اور فرق کا ذکر نہیں کیا بلکہ سیاقِ حدیث سے ظاہر ہے کہ اس شخص نے مدینہ منوّرہ سے دور کہیں چاند دیکھا تھا۔

اولاً:......اس استدلال پر اعتراض یہ ہے کہ اولاً تو یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند کے ایک راوی عبد الأعلی الثعلبی پر علماء نے کلام کیا ہے بلکہ ابن ابی حاتم اور امام نسائی وغیرہ نے اسے نا قابلِ حجت قرار دیا ہے۔ [1] نیز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی ملاقات حضرت عمرِ فارق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ [2]

ثانیاً:......اس حدیث میں کہیں دور دراز علاقے کی شہادت کا ذکر نہیں ہے، ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رؤیتِ ہلال کے لیے نکلے تو اسی وقت ایک مسافر آتا دکھائی دیا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں سے پہلے چاند دیکھ لیا تھا۔ واللہ اعلم

د:...... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ.)) [3]

''روزے کا وہ دن ہے جس دن تم لوگ روزہ رکھو اور افطار کا وہ دن ہے جس دن تم سب روزہ افطار کرو اور قربانی کا دن وہ ہے جس دن تم سب لوگ قربانی کرو۔''

وجۂ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ تمھارے روزہ رکھنے، عید منانے اور قربانی کرنے کا دن ایک ہونا چاہیے۔ [4]

---

[1] تهذيب التهذيب ٦ / ٥٤-٥٥.

[2] دیکھئے: التعليق المغنى ٣ / ١٦٩- تحقيق المسند ١ / ٣٢٤.

[3] سنن ابو داود: ٢٣٢٤ الصوم - سنن الترمذى: ٦٩٧ الصوم - سنن ابن ماجه: ١٦٦٠ الصيام بروايت ابو هريرة ، الفاظ سنن الترمذی کے ہیں۔

[4] مجموع فتاوىٰ شيخ ابن باز: ج١٥ ص٧٨.

اس استدلال پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں :

اولاً : ...... یہ ایک حکم عام ہے جس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کے یہاں شرعی رؤیت کی بنیاد پر روزہ کا دن یعنی پہلا یومِ رمضان، عید کا دن یعنی پہلا روزِ شوال اور قربانی کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ کا وجود ہو جائے اور جس علاقے یا ملک والوں کے یہاں شرعی طور پر یعنی رؤیتِ ہلال کے ذریعے ابھی تک رمضان کا مہینہ داخل ہی نہیں ہوا، بلکہ ابھی شعبان کی ۲۸یا۲۹ تاریخ ہے، اِسی طرح رمضان کی ۲۸یا۲۹ تاریخ ہے اور ذی الحجہ کی ۸ یا ۹ تاریخ ہے تو انھیں رمضان کے روزے، عید اور دسویں ذی الحجہ کی قربانی کا مکلّف کیسے بنایا جاسکتا ہے، بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ روزہ افطار کرنے کی اجازت سورج ڈوبنے پر دی گئی ہے۔ روزہ دار کے لیے کھانے اور پینے سے رک جانے کا حکم طلوعِ فجر پر دیا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ حکم صرف انھیں لوگوں پر لاگو ہوگا جن کے یہاں سورج ڈوب جائے یا فجر طلوع ہو جائے اور جن کے یہاں سورج نہ ڈوبے اور فجر طلوع نہ ہو وہ اس حکم کے مکلّف نہیں ہوں گے، بعینہٖ اِسی طرح جن علاقوں میں رمضان داخل نہیں ہوا اور نہ ہی شوال کا چاند دکھائی دیا وغیرہ، انھیں اس عام حکم کا مکلّف کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ غور کریں کیا شریعت میں اس کی کوئی اور مثال ہے، جس پر اسے قیاس کیا جاسکے؟۔

ثانیاً : ......شارحینِ حدیث نے اس حدیث کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہے، چنانچہ میری معلومات کی حد تک اس حدیث کی توجیہ وتشریح میں علماء کے دو قول ہیں۔

قولِ اول : ...... روزہ، قربانی، حج اور عید وغیرہ مسلمانوں کے ایسے معاملات ہیں جن میں کسی کو انفرادی فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، بلکہ تمام اہلِ شہر، اہلِ ملک اور مسلمانوں کی جماعت کے اجتماعی فیصلے کو مدنظر رکھنا چاہیے، علیٰ سبیل المثال اگر کوئی شخص شوال کا چاند دیکھتا ہے، اسے اپنے دیکھے پر یقین بھی ہے لیکن چونکہ اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے جو چاند دیکھنے میں اس کی تائید کرے، اس لیے حاکمِ وقت یا شہر کا قاضی یا عام مسلمان اس کی

رؤیت کی تصدیق نہیں کرتے، تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اکیلے ہی عید منانے چل نکلے بلکہ مسلمانوں کے جماعت کے ساتھ ہی اسے عید منانی چاہیے، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنے طور پر روزہ نہ رکھے اور افطاری کا اعلان بھی نہ کرے، اگر حاکم یا قاضی یا عام مسلمان اس کی شہادت ردّ کرنے میں اجتہاد سے کام لیے ہیں تو اس غلطی پر ان کی گرفت نہیں ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے لیے یوں باب منعقد کرتے ہیں:

[باب ما جاء ان الفطر یوم تفطرون والأضحی یوم تضحون]

پھر اوپر ذکر شدہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَفَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيْثَ فَقَالَ: اِنَّمَا مَعْنَى هَذَا: أَنَّ الصَّوْمَ وَالْفِطْرَ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَعَظَمِ النَّاسِ." [1]

یعنی روزہ اور افطار مسلمانوں کی جماعت اور سب لوگوں کے ساتھ ہونی چاہئے۔

مشہور محدِّث علاّمہ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ اس حدیث پر یوں حاشیہ لگاتے ہیں:

''ظاہر میں اس حدیث کا معنیٰ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان معاملات میں افراد کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ ان امور میں تفرد سے کام لے بلکہ یہ تمام امور امامِ وقت اور مسلمانوں کی جماعت کے حوالے ہیں، بنابریں اگر کسی شخص نے چاند دیکھا لیکن اِمام وقت نے اس کی گواہی ردّ کردی تو اس پر واجب ہے کہ اس بارے میں مسلمانوں کی جماعت کی پیروی کرے۔'' [2]

---

[1] سنن الترمذی: ج۳ ص ۸۰ علاّمہ بدیع الزمان نے اس باب کا ترجمہ کیا خوب کیا ہے: باب اس بیان میں کہ عید الفطر اور اضحیٰ جب ہی ہے کہ سب مل کر منائیں۔ سنن ترمذی مترجم ج ۱ ص ۳٦٦۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: تهذیب السنن لابن القیم وعون المعبود: ج٤ ص ٤٤٣۔ سبل السلام ج۳ ص ۷۳۔ فیض القدیر للمناوی ج ٤ ص ۳۲۰۔ اور سلسله الأحادیث الصحیحة للالبانی ج۱ ص ٤٤۳، ٤٤٤.

[2] حاشیه السندی علی سنن ابن ماجه :ج ۳ ص ۳۰٦.

قولِ ثانی: ......جن معاملات میں اجتہاد کرنے کی گنجائش ہو اور اجتہاد کے باوجود غلطی ہوجائے تو اللہ کی طرف سے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ مثلاً لوگوں نے چاند دیکھنے کی پوری کوشش کی لیکن چاند دکھائی نہ دیا نتیجۃً مسلمانوں نے شعبان کی تیس کی گنتی پوری کر کے روزہ رکھا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ شعبان کا مہینہ اصل میں انتیس ہی دن کا تھا اور لوگوں سے چاند دیکھنے میں غلطی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں نہ تو ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی ایک روزے کی قضا واجب ہے، بشرطیکہ رمضان کا مہینہ کم از کم انتیس دن کا مکمل ہو، بعینہٖ اسی طرح مسلمانوں نے ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کی کوشش کی لیکن کسی وجہ سے چاند نظر نہ آیا، جس کے نتیجہ میں لوگوں نے عرفہ کے میدان میں ۹ ذی الحجہ کے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو قیام کیا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ دراصل عرفہ میں قیام ایک دن پہلے ہونا چاہیے تھا، تو اس قسم کی غلط فہمی کی وجہ سے حج متأثر نہ ہوگا بلکہ ان کا حج مکمل اور بالکل صحیح شمار ہوگا، چنانچہ ایک مشہور تابعی حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عرفہ کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسروق کو ستو پلاؤ اور میٹھا زیادہ کرو۔ مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: آج ہم نے صرف اس وجہ سے روزہ نہیں رکھا کہ آج یومُ النحر نہ ہو، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((اَلنَّحْرُ یَوْمَ یَنْحَرُ النَّاسُ وَالْفِطْرُ یَوْمَ یُفْطِرُ النَّاسُ .)) [1]

”قربانی کا دن وہ شمار ہوگا جب سب لوگ قربانی کریں اور افطار [عید] کا دن وہ ہے جب سب لوگ روزہ افطار کریں۔“

امام ابو داود رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، چنانچہ وہ اپنی سنن میں زیرِ بحث حدیث کے لیے یہ باب منعقد کرتے ہیں:

[باب اذا اخطأ الناس الهلال] [2]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي ج ٤ ص ٢٥٢ .

[2] سنن ابو داود ج ٤ ص ٤٤١ مع عون المعبود .

"جب چاند دیکھنے میں لوگوں سے غلطی ہو جائے۔"

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی قوم نے چاند دیکھنے کی کوشش کی لیکن غلطی ہوگئی [فی الواقع چاند تھا لیکن ابروغیرہ کی وجہ سے دیکھا نہ جاسکا] اورلوگوں نے تیس کا عدد پورا کرلیا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا، تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ ❶

امام بیہقی رحمہ اللہ بھی اپنی سنن میں یہ باب منعقد کرتے ہیں:

[باب القوم يخطئون في رؤية الهلال]

"باب اس بیان میں کہ اگر لوگ چاند دیکھنے میں غلطی کا شکار ہو جائیں۔"

پھر اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کو بیان کیا ہے۔ ❷

کتبِ حدیث کے مشہور شارح امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ ❸ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زیرِ بحث حدیث وحدتِ رؤیت کے بارے میں صریح نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکمِ عام ہے، جسے اختلافِ مطالع کے بیان میں مذکور دلائل سے خاص کیا جائے گا۔

---

❶ دیکھئے: عون المعبود ج ٦ ص ٤٤١-٤٤٢ .

❷ السنن الكبرى: ج٤ ص ٣٥١ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ((وَفِطْرُكُمْ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ، وَأَضْحَاكُمْ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ ، وَكُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ ، وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ ، وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ ، وَكُلُّ جَمْعٍ مَوْقِفٌ))رواه ابو داود ٢٣٢٤ الصوم ـ البيهقي ٤/ ٢٥١، ٢٥٢ـ

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عید الفطر اس دن ہے جس دن تم افطار کرو اور عید الاضحیٰ اس دن ہے جس دن تم قربانی کرو اور سارا عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سارا منیٰ قربان گاہ ہے اور مکے کے تمام راستے قربانی کی جگہ ہیں اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ((اَلْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسَ ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ ،)) (سنن الترمذي ٨٠٢ الصوم) "افطار کا دن [عید کا دن] وہ ہے جب سب لوگ افطار کریں اور قربانی کا دن وہ ہے جب سب لوگ قربانی کریں۔"

❸ دیکھئے: معالم السنن مع مختصر السنن ج٣ ص ٢١٣ .

(۳) قیاس سے دلیل:

وحدتِ رؤیت کے مؤیّدین ایک عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ وحدتِ رؤیت کو قبول کر لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ساری دنیا کے مسلمان جس طرح جمعہ کی نماز ایک ہی دن میں پڑھتے ہیں اسی طرح ان کا روزہ، عید اور قربانی بھی ایک ہی دن میں واقع ہوں گے۔ جس سے ان کے باہمی اتفاق واتحاد کو تقویت ملے گی، اور اگر مسلمان اپنے تہوار اور دینی تقریبات میں مختلف ممالک میں مختلف دنوں میں منائیں تو نہ صرف ان کی وحدت پاش پاش ہوگی بلکہ یہ دوسری قوموں کے سامنے مضحکہ خیز بنتے ہیں۔ [1]

اس عقلی دلیل پر علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے خاص توجہ دی ہے۔ ملکِ شام کے مشہور فقیہ شیخ وہبہ الزحیلی نے بھی اپنی کتاب الفقه الاسلامی و أدلته میں اس دلیل پر کافی زور دیا ہے اور ایک ہندوستانی مؤلف نے بھی اسے خوب ابھارا ہے۔ [2]

اس استدلال پر ایک بڑا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر وحدت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ کو عید منانا صرف مشکل ترین کام ہی نہیں بلکہ محال نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر مملکتِ سعودی عرب میں یا اس کے قرب وجوار کے اسلامی ممالک میں چاند کا ثبوت مل جاتا ہے اور وہ ایام گرمی کے ہیں جبکہ سورج ۷ بجے غروب ہوتا ہے۔ اس وقت سعودیہ سے مشرق میں واقع بعض ممالک جیسے فیجی اور نیوزی لینڈ وغیرہ میں صبح کے چار یا پانچ بجے ہوں گے۔ یعنی وہاں کے لوگ فجر کی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ کیونکہ دونوں ملکوں کی توقیت میں ۹ اور ۱۰ گھنٹے کا فرق ہے۔ اور یہ بھی واضح بات ہے کہ موجودہ حالات کے لحاظ سے سعودیہ میں رؤیتِ ہلال کا اعلان ۹ بجے یا ۱۰ بجے رات سے پہلے کم ہی ہو پاتا ہے، کیونکہ عام اعلان کے لیے رؤیتِ ہلال کا مسئلہ مختلف مراحل سے گزرتا ہے، اولاً مقامی قضاۃ اس کی تحقیق کرتے ہیں، اس کے بعد یہ مسئلہ مجلسِ قضائے

---

[1] دیکھئے: مجلة مجمع الفقهی عدد ثانی جزء ثانی صفحة ۹۹۱ اور ۹۹۲ .

[2] أوائل الشهور ، مکہ مکرمہ کی رؤیت ہلال صفحہ ۸۔

اعلیٰ [سپریم جیوری کونسل] میں شہادتوں کے ریکارڈ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، پھر مجلسِ قضائے اعلیٰ اس کی ثبوت اور عدمِ ثبوت کے بحث کے بعد دیوانِ ملکی (رولر آفس) میں رپورٹ کرتی ہے اور دیوانِ ملکی منظوری کے بعد بالترتیب مجلس قضائے اعلیٰ، وزارتِ داخلیہ اور وسائلِ اعلام کو اطلاع دیتا ہے، اسی طرح بڑی کوشش کے بعد رؤیتِ ہلال اور اس کے اعلان میں کم از کم دو تین گھنٹے صرف ہوتے ہیں، جبکہ یہ وقت فیجی اور نیوزی لینڈ کے باشندوں کے لحاظ سے چاشت کا وقت ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ لوگ اسی دن اپنی عید کس طرح مناسکتے ہیں یا روزہ کی ابتدا کس طرح کرسکیں گے، اور اگر اس دن عید نہیں مناتے اور اپنے روزہ کی ابتدا نہیں کرتے تو جس وحدت کا راگ آلاپا جا رہا ہے وہ کیسے پوری ہوگی۔ اور اگر یہی چاند سعودی عرب کے دور کسی مغربی ملک میں دکھائی دے تو اوپر ذکر شدہ مشکلات میں اور اضافہ ہوسکتا ہے۔

یہ ایک مثال ہے، اگر غور کیا جائے تو وحدتِ رؤیت کو ماننے میں اور بھی بہت سی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں، جن کا علاج مدعیانِ وحدتِ رؤیت کے پاس نظر نہیں آتا۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی مرحوم نے اس اشکال کو متعدد مثالوں سے واضح کیا ہے۔ غیر مناسب نہ ہوگا اگر انکا ایک لمبا اقتباس نقل کردیا جائے۔

مولانا مرحوم ایک جگہ لکھتے ہیں :

''اس سال ۱۹۷۸ء شوال کا نیا چاند لندن میں شام کے ۴ بج کر ۹ منٹ پر وقوع پذیر ہوگا اور تاریخ ۲ ستمبر ہوگی۔ اسی لمحہ حجازِ مقدس میں شام کے ۷ بجکر ۹ منٹ، پاکستان میں ۹ بج کر ۹ منٹ رات، مشرقی پاکستان میں ۱۰ بج کر ۹ منٹ رات اور جزائر فیجی اور سائبیریا میں ۴ بج کر ۹ منٹ سحری کا وقت ہوگا اور تاریخ ۲ ستمبر ہی ہوگی۔ کیونکہ یہ مقامات بین الاقوامی تاریخی خط کے مشرق میں واقع ہیں۔

حکومتِ حجاز اِسی قِران کے لمحہ یعنی ۲ ستمبر ۷ بج کر ۹ منٹ رات کو دوسرے دن عید منانے کا اعلان کرتی ہے تو جزائر فیجی اور سائبیریا کا مسلمان اس وقت کیا طریقہ اختیار کرے

گا۔اگر اس دن یعنی ۲ ستمبر کو عید کرے تو اتحاد ممکن نہیں کہ حجاز میں عید ۳ ستمبر کو ہو گی اور اگر روزہ رکھے تو کیوں رکھے، نیا چاند تو ہو چکا ہے؟ یہی صورتِ حال روزہ شروع کرنے یا دوسرے امور میں بھی پیش آ سکتی ہے۔

یہ تو تھا نئے چاند یا قِران کا مسئلہ، اب ہم دیکھیں گے کہ اگر نئے چاند کی بجائے رؤیتِ ہلال کو ہی بنیاد قرار دیا جائے تو آیا یہ وحدت واتحاد ممکن ہے؟ یہ بات پہلے واضح ہوچکی ہے کہ قِران اور رؤیتِ ہلال دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان دونوں میں ایک ہی مقام پر ۲۴ سے لے کر ۳۰ گھنٹے تک کا وقفہ ہوسکتا ہے۔اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ علمِ ہیئت کی رو سے چاند کی رؤیت کے لیے دنیا بھر کے تمام مقامات پر ۲۴ گھنٹے کے بجائے ۲۴ گھنٹے ۴۹ منٹ کا عرصہ درکار ہے۔تو اگر دنیا بھر کے لیے رؤیتِ ہلال کا اعلان کردیا جائے تو اس سے مثالِ بالا سے بھی زیادہ الجھن پیش آ سکتی ہے۔مثلاً اوپر والی مثال میں ۳ ستمبر ۱۹۷۸ء کو مکہ مکرمہ میں رؤیت مل جاتی ہے۔اور ساڑھے سات بجے شام اگلے دن کے لیے عید کا اعلان کردیا جاتا ہے تو میکسیکو (امریکہ) میں اس وقت ساڑھ نو بجے دن کا وقت ہوگا۔کیا لوگ اس دن روزہ پورا کر کے دوسرے دن عید منائیں گے یا فوراً افطار کر کے اسی دن اور اسی وقت عید منائیں گے۔ان دونوں صورتوں میں سے مکہ معظّمہ سے وحدت کی کون سی صورت ممکن ہے؟

میں کہتا ہوں کہ شرعی احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیا جائے تو بھی جس وحدت واتحاد کی تمنا کی جاتی ہے، پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔وضعی طریق سے عیسوی کیلنڈر میں گھڑیوں کے آگے پیچھے کرنے سے خطِ تاریخ پر ایک دن کی کمی بیشی کرنے سے یعنی ایک ہی دن میں دو طرح کی پیوند کاری سے جو عیسوی تاریخ میں یکسانیت پیدا کی گئی ہے، اس سے حقیقی صورتِ حال میں تو کچھ فرق نہیں پڑ سکتا۔

رؤیتِ ہلال کی بنا پر کسی مقررہ تاریخ میں دو دن کا فرق پڑسکتا ہے۔لیکن بہت ہی کم مقامات پر یعنی دنیا کے ستائیسویں حصہ میں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دو دن کا فرق بسا اوقات

مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ جس کی وجہ یہی اختراعی طریق ہے۔ جس کی بنا پر عیسوی تقویم میں ایک دن کے فرق کو جو سیارگان کی چال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ فرق بھی قمری تاریخ پر جا پڑتا ہے۔ اگر یہ وضعی طریقِ کار ختم کر دیا جائے تو قمری تاریخوں میں اختلاف خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اب یہ حضرات چاہتے ہیں کہ اسی طرح وضعی طریقِ کار سے قمری تاریخوں کا اختلاف ختم کیا جائے۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ یہ وضعیت کبیسہ یا نسئ سے پوری پوری مشابہت رکھتی ہے۔ جس کی قمری تقویم میں گنجائش نہیں ہے اور جس سے مسلمانوں کو سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔

بادل، بارش، یا فضا کی کثافت کی بنا پر چاند کا نظر نہ آنا تقویم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ یہ اختلاف محض مقامی قسم کا ہوتا ہے۔ اور ایسا اختلاف رؤیتِ ہلال کمیٹیاں، یا مقامی حکومتیں شہادت کی بنا پر اعلان کے ذریعے دور کر سکتی ہیں بشرطیکہ مطلع ایک ہی ہو، مختلف نہ ہو، اختلافِ مطالع کی حقیقت ہم پچھلے باب میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور قمری تاریخ میں اختلاف کی یہی ایک قسم ہے جسے ہم حسنِ تدبیر سے دور کر سکتے ہیں۔

اعلانات کے ذریعے دنیا بھر میں قمری تاریخ کو ایک بنانے کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہے اور کسی مخصوص دن میں مخصوص وقت پر شعائر کی ادائیگی میں اتحاد اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ حج کے دن حجاجِ کرام کی دعاؤں کے وقت ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو کر یہ عبادات بجالائیں تو یہ مشکل سی بات ہوگی۔ کیوں کہ ۹ ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب کے بعد سے لے کر شام تک حجاجِ کرام میدان عرفات میں دعائیں کرتے ہیں۔ یہی حج کا رکنِ اعظم ہے اور اصل حج ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر انہیں مشعر الحرام (مزدلفہ) پہنچنا ہوتا ہے۔ اس وقت ہند اور چین کے مسلمان گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں اور آسٹریلیا میں سحری کا وقت ہوتا ہے۔ کیا وقت کی اس مطابقت کے لیے مسلمانوں کو مکلّف بنایا جا سکتا ہے؟

یہی حال یوم النحر یعنی قربانی کے دن کا ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو حجّاج دن طلوع ہونے کے

بعد مزدلفہ سے منیٰ آتے ہیں، پھر جمرۂ کبریٰ کو کنکریاں مارتے ہیں، اس کے بعد قربانی کا وقت آتا ہے۔ گویا طلوعِ آفتاب سے تقریباً تین گھنٹے بعد قربانی کا وقت آتا ہے۔ اور ہم اس وقت قربانی کا گوشت پکا کر ہضم بھی کر چکے ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ حجاج کے کام سے مطابقت ہوگی یا مسابقت؟ پھر ایسے علاقے بھی ہیں جہاں کے مسلمان یہ قربانی کا دن گذار کر رات کو سونے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ اور ادھر یہ کیفیت ہوگی کہ حجاجِ کرام ابھی مزدلفہ سے روانہ بھی نہ ہوئے ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس ہماری نمازوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان میں اوقات کی وحدت محال ہے۔ اہلِ حجاز جس وقت ظہر کی نماز ادا کرتے ہیں اس وقت ہم عصر کی نماز کی تیاری میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور جب فجر ادا کرتے ہیں تو یہاں سورج خاصہ بلند ہو چکا ہوتا ہے۔

مکہ مکرّمہ کی رؤیت کا اعتبار

یہ بات گزر چکی ہے کہ اس رائے کے موجد علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ ہیں۔ ان سے قبل اور ان کے بعد کسی قابلِ وثوق شخصیت نے ان کی موافقت نہیں کی ہے، علاّمہ مرحوم نے اپنے استدلال کی بنیاد ایک آیت اور ایک حدیث پر رکھی ہے، ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

قرآن سے دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ....﴾

(البقرة : ۱۸۹)

”لوگ آپ سے چاند [کے گھٹنے بڑھنے] کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ یہ لوگوں کے اوقات، خاص کر حج کی تعیین کے لیے ہے۔“

وجہ استدلال:...... علاّمہ مرحوم لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ ہدایت دی کہ منازل قمر کے اختلاف اور اس میں کمی وزیادتی میں ان کے تمام معاملات کے

اوقات کا بیان ہے اور خاص کر اَیامِ حج کی تعیین ہے، چنانچہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں عام کے بعد حج کی تخصیص میں اس بات کی طرف ایک باریک اشارہ ہے کہ لوگوں کو چاہیۓ کہ اپنے اوقات کی تعیین بھی ایک ہی جگہ یعنی مکانِ حج مکہ مکرّمہ سے کریں۔ ❶

لیکن یہ استدلال کئی اعتبار سے محلِ نظر ہے:

اولاً: ...... یہ تفسیر تمام اگلے پچھلے علمائے امت کی تفاسیر کے خلاف ہے۔ ❷

ثانیاً: ...... یہ کہنا کہ ''آیت میں حج کا ذکر توقیتِ زمانی کو توقیتِ مکانی سے مرتبط کرنے کے لیے ہے'' یہ ایک پوشیدہ نکتہ ہے جس کی وضاحت کسی ظاہری دلیل کی محتاج ہے خواہ آپ ﷺ کے بیان سے ہو یا آپ ﷺ کے عمل سے، جبکہ یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، حتیٰ کہ خلفائے راشدین سے لے کر آج تک امت کے کسی بھی عالم نے توقیتِ زمانی کو توقیتِ مکانی سے مرتبط نہیں کیا۔ ❸

حدیث سے استدلال:

((اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْأَضْحىٰ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ.)) ❹

''روزہ کا دن وہ ہے جس دن تم لوگ روزہ رکھو اور افطاری [عید] کا دن وہ ہے

---

❶ اوائل الشهور العربية ص۳۱.

❷ اس آیت کی تفسیر میں علمائے تفسیر کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ چونکہ حج اسلام کا ایک رکن ہے جس کے لیے وقت کی معرفت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور چونکہ مشرکین نے نسئ وکبیسہ کی بدعت ایجاد کر کے حج کے مہینے اور ایام میں تبدیلی کر دی تھی اس لیے انھیں متنبہ کیا گیا کہ حج کے بارے میں نسئ وکبیسہ کی بدعت جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ذی الحجہ کا مہینہ طبعی طور پر متعین کیا جائے گا۔

(دیکھئے: تفسير القرطبی ج۲ ص ۳۴۳۔ تفسير الشوكانی ج۱ ص ۲۴۰)

❸ معرفة اوقات العبادات ج۲ ص ٥٤.

❹ سنن ابی داود: ۲۳۲٤ الصوم۔ سنن الترمذی: ٦۹۷ الصوم۔ سنن ابن ماجه: ١٦٦ الصيام بروايت ابو هريرة ، الفاظ سنن الترمذی کے ہیں۔

جس دن تم سب لوگ افطار کرو اور قربانی کا دن وہ ہے جس دن تم سب لوگ قربانی کرو۔'' ❶

وجۂ استدلال:......علاّمہ مرحوم نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اپنے رسالہ کے تقریباً تین صفحات پر اس حدیث کی علمی تخریج کی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بیان حجۃ الوداع کے موقع پر تھا، چنانچہ علاّمہ مرحوم لکھتے ہیں:

''ان احادیث میں روزے، قربانی اور افطار وغیرہ کا ذکر حجۃ الوداع کے موقع پر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ تمام عالمِ اسلامی میں روزہ اس دن رکھا جائے گا جس دن اہلِ مکہ روزہ رکھیں، افطار اس دن کیا جائے گا جس دن اہلِ مکہ افطار کریں اور عرفات کے میدان میں اسی دن ٹھہرا جائے گا جس دن اہلِ مکہ وہاں ٹھہریں، چنانچہ یہی اماکن رؤیتِ ہلال کے اثبات کے لیے معتمد مانے جائیں گے اور مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ یہیں کے مطلع کا اعتبار کریں۔'' ❷

---

❶ حدیث کا جو ترجمہ اوپر نقل کیا گیا ہے، وہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے جسمیں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ وہ ترجمہ جو ہمارے ایک بزرگ نے کیا ہے اسے بھی نقل کیا جا رہا ہے، قارئین سے گزارش ہے کہ اسے بھی سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ وہ حدیث کا ترجمہ ہے یا تاویل و تحریف، محترم لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے [اہلِ مکہ کو خطاب کرتے ہوئے] فرمایا: روزہ [تمام عالمِ اسلامی میں بشرطیکہ وہاں رؤیتِ ہلال کی خبر یا بادل چھا جانے کی صورت میں شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے کی خبر، وجوبِ امساک کے وقت سے قبل پہنچ جائے] اس دن مشروع ہوگا جس دن تم لوگ [اے اہلِ مکہ] روزہ رکھنا شروع کرو گے اور [اسی طرح تمام عالمِ اسلامی میں] اس دن سلسلۂ روزہ توڑ دیا جائے گا جس دن تم لوگ [اے اہلِ مکہ] روزہ کا اختتام کرو گے [نیز عالمِ اسلام میں] قربانی اس دن کی جائے گی جس دن [دسویں ذی الحجہ تا آخری ایامِ تشریق] تم لوگ قربانی کرو گے۔ (مکہ مکرّمہ کی رؤیت ہلال ص ۹،۱۰)

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث شریف کا ترجمہ و تشریح نہیں بلکہ تاویل و تحریف ہے۔ واللہ اعلم

❷ علامہ مرحوم کی تخریج اور ان کے تبصرہ پر متعدد اعتراضات ہیں جن سے تعرّض کرنا مجھ جیسے طالب علم کے لیے زیب نہیں دیتا، البتہ تحقیقی ذوق رکھنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ راویوں کی تضعیف و توثیق سے متعلق علاّمہ مرحوم کے تفرّدات کو دھیان میں رکھیں، اس بارے میں علامہ مرحوم کی کوششیں زیادہ ⇦⇦

علامہ مرحوم کے اس استدلال پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اولاً:......علاّمہ کا یہ فرمان کہ: [یہ خطاب اہلِ مکہ یا اہل حج کے لیے تھا] غیر مقبول ہے کیونکہ علاّمہ مرحوم نے جس چیز کو بنیاد بنا کر اس حدیث کو حج اور ایامِ حج سے متعلق قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، علاّمہ مرحوم کا استدلال سنن ابو داود میں ”حماد بن زید عن ایوب عن محمد بن المنکدر عن ابی هریرة“ کی سند سے مروی درجِ ذیل حدیث سے ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَفِطْرُكُمْ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَأَضْحَاكُمْ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ وَكُلُّ عَرَفَةَ مَوْقَفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ وَكُلُّ جَمْعٍ مَوْقَفٌ.)) [1]

”تمہاری افطار کا دن وہ ہے جس دن تم لوگ افطار کرو گے، تمھاری قربانی کا دن وہ ہے جس دن تم قربانی کرو گے اور پورا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مکہ کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں، اور مزدلفہ پورا کا پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔“

اس حدیث کی تخریج میں علاّمہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فالسند صحيح لولا انه منقطع فان ابن المنكدر لم يسمع

⇦⇦ کامیاب ثابت نہیں ہوئیں۔ علیٰ سبیل المثال اسی حدیث کی تخریج میں ایک جگہ لکھتے ہیں: [والواقدی عندنا ثقه خلافاً لمن ضعفه] ”برخلاف ان لوگوں کے جو واقدی کو ضعیف کہتے ہیں یہ واقدی ہمارے نزدیک ثقہ ہیں“ (حاشیہ ص۲۲) حالانکہ واقدی کا ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہونا علمِ جرح وتعدیل میں ایک مسلّمہ امر ہے حتیٰ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں متروک، امام نسائی نے انھیں (كان يضع الحديث) کہا ہے، متقدمین کے اقوال کا خلاصہ حافظ ذہبی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں [مجمع على تركه]، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: متروك مع سعة علمه، یعنی علاّمہ ہونے کے باوجود متروک ہیں۔ (دیکھئے: المغني ج ۲ ص ٦١٩ ۔ التقریب ص ٨٨٢)

[1] سنن ابی داود: ٢٣٢٤ الصوم ۔ سنن الدارقطنی ١ / ١٦٣ ۔ السنن الکبری للبیهقی ٤ / ٢٥١ بروایت ابو هریرة.

من ابی هريرة كما قال البزار وغيره.)) [1]

''اگر اس حدیث میں انقطاع نہ ہوتا تو یہ سند صحیح ہے کیونکہ ابن المنکدر کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ امام البزار وغیرہ نے ذکر کیا۔''

معلوم یہ ہوا کہ علامہ مرحوم جس سند کو بنیاد بنا کر اس واقعہ کو حجۃ الوداع سے جوڑنا چاہتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان حجۃ الوداع کے موقع پر تھا، اس وقت اس روایت پر استدلال کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

ثانیاً: ......اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کا یہ خطاب ایامِ حج میں تھا تو کس دلیل سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ خطاب صرف اہلِ مکہ کے لیے تھا اور عام امت اس کی مخاطب نہ تھی، یہ قول بلا دلیل ہے، اگر آیات واحادیث کی تاویل وتفسیر کا یہ باب کھول دیا جائے تو ہر شخص اپنے لحاظ سے جو تاویل وتفسیر چاہے کرتا پھرے، یہی اصول ہے شیعہ اور دوسرے گمراہ فرقوں کا۔

ثالثاً: ......اگر یہ خطاب خاص اہلِ مکہ کے لیے تھا تو اس سے وحدتِ رؤیت اور وحدتِ صوم وغیرہ کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے، بلکہ حدیث کا ظاہر وواضح مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس عام اجتماع کو غنیمت سمجھتے ہوئے عام امت کو مخاطب فرمایا کہ ہر جماعت اور ہر جگہ کے لوگوں کو یہ چاہیے کہ اپنے روزے اور اپنی عید وقربان کے موقع پر باہمی اختلاف کا مظاہرہ نہ کریں جیسا آج کل دیکھا جا رہا ہے بلکہ جہاں رویتِ ہلال کی شہادت مل جائے وہاں کے سارے لوگ ایک ساتھ بغیر کسی اختلاف وانشقاق کے روزے اور عید و

---

[1] ارواء الغليل ج ٤ ص ١١.

واضح رہنا چاہیے کہ ہم نے حدیث کو ضعیف نہیں بلکہ سند کو ضعیف کہا ہے۔ متن کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کے تمام جملے انفرادی طور پر صحیح سندوں سے ثابت ہیں، دیکھئے علامہ البانی کی ارواء الغلیل ج ٤ ص ١١ اور اس کے بعد اور الصحیحہ نمبر ٢٢٤۔

میرے کہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے حدیث کی جس سند اور اس کے جس سیاق پر استدلال کی بنیاد رکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

قربانی کا اہتمام کریں۔

رابعاً: ...... مکہ مکرّمہ شرفہا اللہ کو مرکزِ رؤیت تسلیم کر لینے میں ایک بہت بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ بعض وہ ممالک جو مکہ مکرّمہ سے غرب میں واقع ہیں اور خط طول البلد میں اختلاف کی وجہ سے وہاں چاند پہلے نظر آ جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کے لوگ چاند دیکھ لینے کے باوجود اپنی رؤیت پر اعتماد نہ کریں یعنی اگر رمضان کا چاند ہے تو چاند دیکھ لینے کے باوجود روزہ نہ رکھیں۔ جبکہ شرعاً رمضان المبارک کا مہینہ انہوں نے پالیا ہے، اور عید کا چاند ہے تو چاند دیکھ لینے کے باوجود افطار نہ کریں کیونکہ مکہ مکرّمہ میں ابھی تک چاند نہیں ہوا جبکہ ان کے یہاں شوال کا مہینہ داخل ہو چکا ہے، اس طرح وہ لوگ دو خرابیوں کے مرتکب ہوئے، اول یہ کہ رمضان کا چاند دیکھنے کے باوجود روزہ نہیں رکھا اور دوم یہ کہ عید کا چاند دیکھ لینے کے باوجود افطار نہیں کیا، اس قسم کی مشکلات کا سامنا اہلِ مشرق کے لیے بھی ہوسکتا ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ مکہ مکرّمہ اور اس کے اطراف کے علاوہ کے مسلمان حدیث [صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ] کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ اگر نہ چاہتے ہوئے بھی چاند پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی نظر کو پھر لیں تا کہ ماہِ رمضان میں روزہ توڑنے اور عید کے دن روزہ رکھنے کے گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔

خامساً: ...... یہ ایسا معنیٰ ہے کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک مکمل چودہ صدیاں بلکہ اس سے زیادہ مدت تک امتِ مرحومہ اس سے ناواقف رہی ہے، یہ نکتہ نہ تو کسی مفسر نے سمجھا ہے، نہ کسی محدّث نے اور نہ ہی کسی فقیہ نے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے؟

حَاشَاللّٰهِ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

اس حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

پچھلی سطور میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

عدمِ وحدتِ رؤیت کے دلائل

اس قول کے قائلین علماء نے اپنے موقف کی صحت پر اثر ونظر سے استدلال کیا ہے:

اثر سے دلیل:...... مشہور تابعی حضرت کریب بن ابی مسلم مولیٰ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُم الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا ❶ نے مجھے ملکِ شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، میں ملکِ شام گیا اور ان کا کام پورا کیا، ابھی میں شام ہی میں تھا کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا، چنانچہ جمعرات کو ہم نے خود چاند دیکھا، پھر مہینہ کے آخر میں مدینہ منورہ واپس آیا تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہم سے پوچھا کہ تم لوگوں نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ ہم لوگوں نے جمعرات کو چاند دیکھا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دوبارہ سوال کیا کہ کیا تم نے خود چاند دیکھا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے بھی دیکھا تھا اور میرے علاوہ اور بھی لوگوں نے چاند دیکھا تھا اور اس کے مطابق لوگوں نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لیکن ہم لوگوں نے ہفتہ کی شب [جمعہ کی شام] کو چاند دیکھا ہے اس لیے ہم برابر روزہ رکھتے رہیں گے حتی کہ تیس روزے پورے کرلیں یا اس سے قبل چاند دیکھ لیں، حضرت کریب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: کیا آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت اور ان کے روزے کا اعتبار نہیں کرتے؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: نہیں [ایسی بات نہیں ہے] بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔ ❷

---

❶ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔

❷ صحیح مسلم: ۱۰۸۷ الصیام ۔ مسند احمد: ج ۱ ص ۳۰۶۔ سنن ابی داود: ۲۳۳۲ الصوم۔ سنن الترمذی: ۶۹۳ الصوم ۔ سنن النسائی: ج ٤ ص ۱۳۱ .

یہ حدیث توحید رؤیت کے خلاف سب سے واضح دلیل ہے کیونکہ حبرِ اُمت صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اہلِ شام کی رؤیت کو حجاز کے لیے معتبر نہیں سمجھا، بلکہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے یعنی ایک جگہ کی رؤیت ہر جگہ کے لیے کافی نہیں ہے۔

اس دلیل پر متعدد اعتراضات کیئے گئے ہیں:

اولاً:......حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول [هَـكَذَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم] سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا حکم مراد ہے؟

یہ چیز قابلِ غور ہے، کیا اس بارے میں ان کے پاس کوئی خاص اُمر تھا یا آپ کی مراد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: [صُـوْمُوْالِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلَا تَسْتَقْبِلُوا الشَّهْرَ اِسْتِقْبَالاً] سے ہے۔ ❶

اگر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی ''نبوی امر'' تھا تو وہ معلوم ہونا چاہیے تا کہ دیکھا جا سکے کہ وہ اپنے مفہوم میں کہاں تک صریح ہے اور اگر اس سے مراد مذکورہ نص ہے تو وہ ایک عام حکم ہے جس میں کسی خاص قوم، ملک اور علاقے کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے، اس لیے وہ مخالف کے لیے حجت نہیں ہے اور جہاں تک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اہلِ شام کی رؤیت قبول نہ کرنا ہے تو یہ ان کا اجتہاد ہے جس کا ہمیں مکلّف نہیں بنایا گیا۔ ❷

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہے کہ یا تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی نصِ صریح تھی یا پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ حکم سے یہی سمجھا کہ ہر علاقے کے لوگ اس حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرح مخاطب ہیں جس طرح نماز

---

❶ موطا امام مالك :ج١ ص٣٨٧ كتاب الصوم۔ سنن ابی دواد :٢٣٢٧ الصوم۔ سنن الترمذي : ٦٨٨ الصوم.

❷ امام شوکانی کے اعتراض کا یہ خلاصہ ہے دیکھئے: نيل الأوطار :٢ / ٥٠٦ ، ٥٠٧۔ تحفه الأحوذى٣ / ٣٠٨ ، ٣٠٩۔

کے اوقات کے مخاطب ہیں کہ وہ نماز ظہر [مثال کے طور پر] اس وقت پڑھیں جب ان کے یہاں سورج ڈھل جائے اسی طرح روزہ اس وقت رکھیں جب رمضان کا مہینہ آ جائے۔

چنانچہ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعندی أن كلام الشوكانی مبنی علی التحامل یرده ظاهر سیاق الحدیث، والشام من جهة الشمالیة من المدینه المنورة مائلاً الی المشرق وبینهما قریب من سبعمائة میل، فالظاهر أن ابن عباس انما لم یعتمد علی رؤیة اهل الشام واعتبر اختلاف المطالع لأجل هذا البعد الشاسع." [1]

"میرے نزدیک امام شوکانی کا قول تکلّف پر مبنی ہے، حدیث کا ظاہری سیاق اس کی تردید کر رہا ہے، شام مدینہ منوّرہ سے شمال شرق کی طرف اور ۷۰۰ میل کی مسافت پر واقع ہے اس لیے ظاہر یہی ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اہلِ شام کی رؤیت کا اعتبار دوری اور اختلافِ مطالع کی وجہ سے نہیں کیا۔"

ثانیاً: یہ بات ہمیشہ سامنے رکھنی چاہیے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا واسطہ مخاطَب تھے اور آپ کے خطاب کی زیادہ سمجھ بھی رکھتے تھے، خاص کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسا فقیہ صحابی جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعا تھی:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ.)) [2]

"اے اللہ تعالیٰ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور تفسیر کا علم دے۔"

---

[1] مرعاة المفاتیح: ج ٤ ص ٤٢٨۔ اصل یہ ہے کہ دمشق ۳۵ درجے طول البلد مشرق پر واقع ہے اور مدینہ منورہ ۴۰ درجے طول البلد مشرق پر واقع ہے اور دونوں میں ۵ درجے کا فرق ہے جس کی وجہ سے اختلاف مطالع کی گنجائش ہے۔

[2] مسند احمد: ج ١ ص ٢٩٦۔ یہ حدیث مختصراً صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔

اور اُخص الخاص یہ کہ اس وقت مدینہ منورہ میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے، لیکن کسی نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تردید نہیں کی۔ [1]

اس لیے بغیر کسی واضح دلیل کے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فہم کو ردّ کردینا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، مزید برآں یہ کہ تمام وہ محدِّثین جنھوں نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، سبھی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فقہ وسمجھ کی تائید کی ہے، جیسا کہ ان کے اقوال آئندہ سطور میں ذکر کیئے جائیں گے۔

اس استدلال پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اہلِ شام کی رؤیت پر اس لیے اعتماد نہ کیا ہو کہ یہ خبرِ واحد تھی اور خبرِ واحد کی شہادت ان کے نزدیک معتبر نہیں تھی، اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ممکن ہے کہ اس وقت مدینہ منوّرہ میں مطلع صاف ہو اور جب اہلِ مدینہ نے چاند نہیں دیکھا تو ایسی صورت میں رؤیتِ ہلال سے متعلق ایک آدمی کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے، جس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اُس طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ [2]

---

[1] معرفة اوقات العبادات : ج ٢ ص ٣٦ .

[2] بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ بات کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کریب کی خبر کو صرف اس لیے ردّ کردیا کہ خبر دینے میں وہ اکیلے تھے، جبکہ خود ان سے روایت ہے کہ ایک اعرابی -صحرانشین- اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [أَتَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا للّٰهُ] ''کیا تم ''لا الہ الا اللہ'' کی گواہی دیتے ہو؟ یعنی کیا تم مسلمان ہو؟'' اس نے جواب دیا: ہاں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا: [أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰـهِ؟] ''کیا تم محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ اس نے ہاں کہہ کر جواب دیا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ اَنْ يَّصُوْمُوْا غَداً] ''اے بلال! لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں۔'' (سنن ابی داود: ٢٣٤ الصوم، باب نمبر ١٤۔ سنن الترمذی: ٦٩١ الصوم۔ سنن النسائی: ٢١١٤ الصیام۔ سنن ابن ماجه: ٦٥٢ الصیام) اس حدیث کی صحت علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ (دیکھئے المجموع للنووی ٤ / ٢٨٢۔ المرعاة: ٦ / ٤٤٨، ٤٤٩۔ ارواء الغلیل ج ٤ ص ١٥، ١٦)

ثانیاً: ......حضرت کریب رحمہ اللہ چاند دیکھنے میں اکیلے نہیں تھے، بلکہ ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے چاند دیکھا تھا، خلیفہ المسلمین اور شام کے تمام مسلمانوں نے اس رؤیت کو ثابت مانا تھا، جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

ثالثاً: ......حضرت کریب رحمہ اللہ چاند کی شہادت نہیں دے رہے تھے بلکہ ایک خاص جگہ چاند ہونے کی خبر دے رہے تھے۔

اور علماء کے نزدیک خبر اور شہادت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، علماء خبرِ واحد کو تو قبول کرتے ہیں البتہ شہادتِ واحد کا مسئلہ محلِ نظر ہوتا ہے۔ [1]

رابعاً: ......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت کریب رحمہ اللہ کی خبر کو سنا اور اہلِ شام کی رؤیت کو قبول نہیں کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ خبر دینے میں تم اکیلے ہو، یا اس دن ہمارے یہاں مطلع صاف تھا اور کوشش کے باوجود ہم لوگوں نے چاند نہیں دیکھا وغیرہ وغیرہ، بلکہ آپ رضی اللہ عنہما نے صرف یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے یعنی

---

[1] امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول [هَـكَـذَا أَمَـرَنَـا رَسُوْلُ اللّٰـه صلی اللہ علیہ وسلم] کی تاویل میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ چونکہ حضرت کریب رحمہ اللہ کی خبر [خبرِ واحد] تھی اس لیے اسے ردّ کر دیا۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ چونکہ مطلع کے لحاظ سے دونوں علاقے مختلف تھے اس لیے اس خبر کو ردّ کر دیا، اور یہی بات صحیح ہے، کیونکہ کریب رحمہ اللہ نے گواہی نہیں دی تھی [کہ اکیلے ہونے کی وجہ سے اسے ردّ کر دیا جائے] بلکہ ایک ایسے حکم کی خبر دی تھی جو بطورِ شہادت ثابت ہو چکا تھا، اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی حکم شہادت کی بنیاد پر ثابت ہو چکا ہو تو اس بارے میں خبرِ واحد کافی ہوتی ہے، اس واقعہ کی نوعیت یہ ہے کہ ''اُغمات'' میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آئے اور اشبیلیہ میں ہفتہ کی رات کو تو ہر شہر کے لیے اپنی رؤیت کا اعتبار ہوگا کیونکہ سھیل تارا [بسا اوقات] اغمات میں نظر آتا ہے لیکن اشبیلیہ میں نظر نہیں آتا جو اختلافِ مطالع کی دلیل ہے۔ (احکام القرآن : ٨٤، ٨٥)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کریب رحمہ اللہ کی خبر کو صرف اس لیے ردّ کیا کہ رؤیتِ ہلال دور کے ممالک کے حق میں ثابت نہ مانی جائے گی۔ (شرح صحیح مسلم : ٧ / ٨٤، ٨٥۔ نیز دیکھئے: المرعاۃ :٦/ ٤٢٨۔ فتاویٰ اھل الحدیث : ٢/ ٣١٠، ٣١١)

یہ کہ ہم دور کی رؤیت پر اعتماد نہ کریں۔ [1]

نظری دلیل: ...... جو علماء سارے عالم کے لیے وحدتِ رویت کے قائل نہیں ہیں وہ ایک عقلی استحالہ یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر توحیدِ رؤیت ضروری ہوتی تو عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد کے اَدوار میں مسلمان حُکام اور علماء، اپنے مرکزِ خلافت یا کسی اور جگہ رؤیت کے ثابت ہوجانے کے بعد ملک کے اطراف میں رؤیتِ ہلال کی اطلاع دیتے اور حتی الامکان لوگوں کو روزہ وعید کے موقع پر متحد رکھنے کی کوشش کرتے، جبکہ ایسی کوئی دلیل یا کوئی واقعہ پایا نہیں جاتا، آج اس دین کو چودہ صدیاں گزر گئیں لیکن کسی بھی صدی سے متعلق یہ اطلاع نہیں ملتی کہ امت کو ایک ہی جگہ کی رؤیت کا مکلّف بنایا گیا ہو، نبی ٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ جس دن اہلِ مدینہ نے روزہ رکھنا شروع کیا، اور جس دن اہلِ حجاز نے عید منائی اور جس دن اہلِ مکہ ومدینہ نے قربانی کی اسی دن مسلمانوں کے دوسرے علاقے اور شہر بھی عید وقربانی کا اہتمام کیے ہوں۔ [2]

اگر یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت روزہ کی ابتدا کی خبر دینا ایک مشکل کام تھا اس لیے خاموشی اختیار کی گئی تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وحدتِ رؤیت کی وہ اہمیت نہیں ہے جو اس وقت دی جارہی ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلا قول: ...... اتفاقِ مطلع کی صورت میں وحدت رؤیت کا اعتبار ہے اور اختلافِ مطالع کی صورت میں وحدتِ رؤیت کا اعتبار نہیں:

اس رائے کے قائلین علماء کا استدلال قرآن وحدیث اور قیاس سے ہے، واضح رہے کہ اس رائے کے قائلین علماء کا استدلال تقریباً انھیں دلیلوں سے ہے جن دلائل سے وحدتِ رؤیت کے قائلین علماء کا استدلال ہے البتہ وجہِ استدلال میں فرق ہے۔

---

[1] معرفة اوقات العبادات: ج۲ ص ٤٤، ٤٥ .

[2] دیکھئے: العلم المنشور ص۲۹ ، ابحاث هيئة كبار العلماء : ج۳ ص ۳۳، ۳٤۔

قرآن سے استدلال:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرة : ١٨٥)

''پس تم میں کا جو شخص اس مہینے کو پالے وہ اس کا روزہ رکھے۔''

وجۂ استدلال: ......آیتِ مبارکہ میں روزے کے وجوب کو ''شہودِ شہر'' یعنی ماہ صیام پالینے پر معلّق کیا گیا ہے اور ماہِ صیام کا وجود ۲۹ شعبان کی شام میں رؤیتِ ہلال یا پھر تیس دنوں کی گنتی پورے ہونے پر موقوف ہے، جیسا کہ حدیثِ شریف میں ہے کہ [صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ] یعنی ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔''

اب اگر ایک شخص کسی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں مطلع کے فرق کی وجہ سے نہ تو شعبان کی ۲۹ تاریخ ہے اور نہ ہی رؤیتِ ہلال ممکن ہے، اس طرح وہاں کے رہنے والوں نے ماہِ صیام پایا ہی نہیں اور جب ماہِ صیام پایا ہی نہیں تو ان پر روزہ کس طرح واجب ہوسکتا ہے۔ [1]

اس دلیل پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا روزہ تمام مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور قابلِ وثوق لوگوں کی شہادت سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ دن رمضان المبارک کی ابتدا ہے لہٰذا تمام مسلمانوں پر اس دن کا روزہ فرض ہوگیا کیونکہ شریعت نے ہر شخص اور ہر شہر والوں کے لیے الگ الگ رؤیت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ [2]

اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جس جگہ کا مطلع رؤیتِ ہلال کی جگہ کے مطلع سے مختلف ہو وہاں ماہ رمضان نہ تو شرعاً ثابت ہے اور نہ عقلاً، لہٰذا ان پر یہ حکم بھی نہ لگے گا۔

احادیث سے استدلال:

(ا)......اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] مجموع فتاوى ورسائل شيخ ابن عثيمين : ج١٩ ص ٤٥ .

[2] المغنى: ج ٤ ص٣٢٩ .

((اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ .)) 1

''مہینہ انتیس دن کا -بھی- ہوتا ہے اس لیے جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور اگر بادل چھا جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔''

وجۂ استدلال:......اس حدیث اور اس طرح کی متعدد احادیث [جن کا ذکر گزر چکا ہے] میں اللہ کے رسول ﷺ نے روزے اور افطار کو اولاً رؤیتِ ہلال سے مشروط کیا ہے۔ ثانیاً اگر رؤیتِ ہلال کا ثبوت نہ مل سکے تو تیس دن مکمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے جس جگہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت حقیقتاً یا حکماً پایا جائے [اگر رمضان کا چاند ہے تو] وہاں کے لوگوں پر روزہ رکھنا یا [اگر شوال کا چاند ہے تو] افطار کرنا واجب ہوگا، اور یہ بات علمی طور پر متفق علیہ ہے کہ ساری دنیا میں ایک ہی دن رؤیتِ ہلال ممکن ہی نہیں ہے، بلکہ مطالع کے فرق کی وجہ سے ایک یا دو دن کا فرق ہوسکتا ہے، جیسا کہ مشاہدے سے معلوم ہے۔ اس لیے اگر کسی ایک جگہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت ملتا ہے اور وہاں کا مطلع کسی دوسری جگہ کے مطلع سے مختلف ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس دوسری جگہ بھی رؤیت کا ثبوت ہوگیا ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ ان کے یہاں نہ تو رؤیتِ ہلال کا وجود حقیقتاً ہے، نہ حکماً، لہٰذا ان پر روزہ وافطار بھی واجب نہ ہوگا۔

اس دلیل پر بھی وہی اعتراض ہے جو اس سے قبل ذکر شدہ دلیل پر کیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم عام ہے آپ ﷺ نے کسی خاص قوم کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ حکم چاند کے دیکھنے پر معلّق کیا ہے اس لیے دنیا کے کسی بھی حصے میں چاند دیکھا جائے تو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا بشرطیکہ معتبر ذرائع سے خبر پہنچ جائے۔

اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو اس سے پہلے دیا گیا کہ یہ حکم ان تمام لوگوں کے

---

1 صحیح البخاری:۱۹۰۷، الصوم۔ صحیح مسلم: ۱۰۸۰ الصوم بروایت ابن عمر، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

لیے ہے جو اتحادِ مطلع کی حدود میں رہتے ہوں اور جو لوگ مطلع کی حدود سے باہر ہیں، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے حقیقتاً یا حکماً چاند دیکھا ہے۔ ❶

(۲)...... اللہ کے رسول ﷺ کا رشاد ہے:

((لَا تُقَدِّمُوا الشَّهْرَ حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثُمَّ صُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ أَوْتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ.)) ❷

''چاند دیکھنے سے قبل مہینے کا استقبال نہ کرو[یا وقت سے قبل مہینہ کا اعتبار نہ کرو] گنتی کو پورا کرلو پھر روزہ رکھو یہاں تک چاند دیکھ لو یا گنتی پوری کرلو۔''

وجہ استدلال:......اس حدیث سے وجۂ استدلال یہ ہے کہ وجوبِ صوم کے لیے رؤیتِ ہلال کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ رمضان کا مہینہ داخل ہونے سے قبل روزہ نہ رکھا جائے، اسی طرح افطار کے لیے رؤیتِ ہلال کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ رمضان کا مہینہ گزر جائے، اب اگر اختلافِ مطالع جو نہ صرف ایک علمی حقیقت ہے، بلکہ ایک بدیہی امر ہے، اسے مؤثر نہ مانا جائے تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ دنیا کے بعض علاقوں میں رمضان شروع ہونے سے قبل روزہ رکھا گیا اور رمضان پورا ہونے سے قبل افطار کیا گیا۔

قیاس سے دلیل:......اختلافِ مطالع کے قائلین علماء ایک عقلی دلیل بھی پیش کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ امر سب کے مشاہدے میں ہے کہ روئے زمین کے مشرقی علاقے میں طلوعِ فجر مغربی علاقے سے پہلے ہوتی ہے، یعنی ہم سے مشرقی علاقے میں فجر طلوع ہوتی ہے اور ہمارے یہاں ابھی رات باقی ہوتی ہے، اسی طرح ہم سے مشرق

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے: مجموع فتاوی الشیخ ابن عثیمین ج۱۹ سوال نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸۔

❷ سنن ابو داود: ۲۳۲۶، الصوم۔ سنن النسائی:۲۱۲۶ الصیام۔ صحیح ابن خزیمه: ۱۹۱۱/ ۳ ص ۲۰۳ بروایت حُذیفہ۔اس معنی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی حدیث ہے، دیکھئے: سنن ابی داود: ۲۳۲۷، الصوم، سنن النسائی: ۲۱۳۰، الصیام: صحیح ابن خزیمه: ج۳ ص ۲۰۳.

میں سورج ڈوب جاتا ہے اور ابھی ہمارے یہاں دن کا ایک حصہ باقی ہوتا ہے تو کیا سمتِ مشرق میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت جن پر فجر طلوع ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان میں سے روزہ رکھنے والے حضرات کے لیے کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے تو کیا ہمارے اوپر بھی کھانا پینا [روزہ رکھنے کے لیے] حرام ہوگیا اور اسی طرح جب ہمارے مشرق میں سورج ڈوب گیا تو ہمارے لیے بھی افطار جائز ہوگیا، اگر چہ ہمارے یہاں ابھی عصر کا وقت ہے؟ یقیناً جواب نہیں میں ہوگا تو چاند بھی سورج ہی کی طرح ہے کیونکہ چاند مہینے کے وقت کا بیان ہے اور سورج دن کے اوقات کا بیان ہے اور جس ذات نے یہ فرمایا ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ....﴾(سورة البقرہ: ۱۸۷)

اور فرمایا:

﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾(سورة البقرہ: ۱۸۷)

اُسی ذات نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [1](سورة البقرہ: ۱۸۵)

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ روزے اور افطار سے متعلق ایک نصِ عام ہے کہ [صُوْمُوا لِرُؤْيَتِهٖ] ، [وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ] اور جب کسی ایک فرد یا جماعت کے چاند دیکھ لینے سے رؤیت کا حکم ثابت ہوگیا تو وجوب بھی ثابت ہوگیا بخلاف زوال وغروب کے کہ کسی بھی شرعی نص میں محض ان کے نام پر کوئی عام حکم معلّق نہیں کیا گیا۔ [2]

لیکن اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بعض شرعی نصوص میں بعض عبادات کو سورج کی حرکت کے ساتھ جوڑا گیا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ [3]

---

[1] مجموع فتاویٰ الشیخ ابن عثیمین: ج ۱۹ ص ۴۸ .

[2] فتح القدیر: ج۲ ص ۳۱۲ تنبیه الغافل والوسنان ص ۱۰۸ .

[3] معرفة اوقات العبادات: ج۲ ص ۴۷ .

''نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی۔''

اس دلیل پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ وجوب اور ادائے وجوب میں فرق ہے، ادائے وجوب میں تو مطلع اور وقت کا فرق پڑتا ہے۔ البتہ وقتِ وجوب میں فرق نہیں پڑتا، مثلاً جمعہ کی نماز جمعہ کے دن ہی پڑھی جاتی ہے اور ساری دنیا میں جمعہ ہی کے دن پڑھی جاتی ہے البتہ طلوع وغروب کے فرق کے لحاظ سے آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح روزہ تمام مسلمانوں پر ایک ہی دن میں واجب ہوتا ہے اور عید کا دن تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہی دن ہے، البتہ سورج کی حرکت کی وجہ سے اور علاقے کے فرق کے لحاظ سے اداء میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے۔ [1]

اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ اصل مسئلہ وقتِ وجوب ہی کا ہے یعنی روزہ کا وجوب اس وقت ہوگا جب ماہِ رمضان کا چاند حقیقتاً یا حکماً نظر آئے گا یا پھر شعبان کے تیس دن مکمل ہوجائیں گے، اسی طرح عید کا دن وہ ہوگا جب شوال کی پہلی تاریخ ہوگی۔ پھر جب رمضان کا مہینہ شرعاً یا فعلاً داخل ہی نہیں ہوا، تو وقتِ وجوب کا سوال ہی نہیں ہوتا البتہ جن علاقوں کا مطلع ایک ہے، وہاں وجوب اور ادائے وجوب کا فرق قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔

دوسرا قول:...... کسی جگہ کی رؤیت اسی علاقے کی حدود تک مانی جائے گی جہاں تک یہ کہا جا سکے کہ اگر بادل وغبار وغیرہ جیسی کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تو یہاں بھی چاند ضرور دکھائی دے جاتا:

میری سمجھ کی مطابق یہ قول اس سے قبل مذکور قول کے قریب قریب ہی ہے، یعنی اختلافِ مطالع کی صورت میں وحدتِ رؤیت کا اعتبار نہ ہوگا اور اتفاقِ مطلع کی صورت میں وحدتِ رؤیت کو تسلیم کیا جائے گا، دونوں قول ایک ہی مفہوم ادا کررہے ہیں، دونوں میں صرف تعبیر کا فرق ہے، شائد اسی وجہ سے علاّمہ سبکی رحمہ اللہ نے اسے بہتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ

[1] جريدة ترجمان: جلد: ٢ شمار: ٤٠-٤١ ص ١٤.

لکھتے ہیں:

[اعتبار كل بلد لا يتصوره خفازه عنهم جيد] [1]

لیکن واضح رہے کہ یہ کوئی ایسا ضابطہ نہیں ہے جس کے تابع لوگوں کو کیا جا سکے۔ واللہ اعلم۔

تیسرا قول: ...... مکانِ رؤیت سے قصر کی مسافت تک رؤیت کا اعتبار کرنا:

اس قول کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ شریعت میں مسافت کی کوئی تحدید نہیں کہ کتنی دوری تک رؤیتِ ہلال کا اعتبار ہوگا اور کتنی دوری کے بعد نہیں، اور اس بارے میں اختلاف ِ مطالع کا اعتبار کرنا اصل میں اہلِ نجوم اور اہلِ حساب کی بات کو تسلیم کرنا ہے۔ جبکہ نجومیوں کی بات قبول کرنا شرع میں منع ہے۔ اس لیے مسافتِ قصر کا اعتبار ضروری ہے کیونکہ شریعت نے بعض عبادات کو مسافتِ قصر سے منسلک کیا ہے جیسے نماز کا قصر کرنا اور افطار کی اجازت وغیرہ۔ [2]

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ:

اولاً: ...... ازروئے شرع مسافتِ قصر کی کوئی تحدید وارد نہیں ہوئی ہے۔ اسی لیے اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حتیٰ کہ بعض کے نزدیک نومیل کی مسافت پر قصر جائز ہے، حتیٰ کہ ظاہریہ کے نزدیک تین میل کی مسافت پر بھی قصر جائز ہے، حالانکہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہر تین میل یا نومیل کے بعد رؤیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

ثانیاً: ...... علمِ ہیئت اور علمِ نجوم دونوں الگ الگ علم ہیں اور جس نجومی کی بات سننے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے روکا گیا ہے، وہ علم ہیئتِ جدیدہ سے قطعاً مختلف ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں اختلافِ مطالع ایک علمی حقیقت بن گیا ہے، جس کا تعلق

[1] العلم المنشور : ص٢٩ .

[2] المجموع : ج٦ ص ٢٣٧ ـ معرفة اوقات العبادات: ج٣ص ٥٢ ـ العلم المشور ص ٢٨ .

مسافتِ قصر سے نہیں ہے ❶ بلکہ اس کا تعلق زمین کے طول البلد اور عرض البلد سے ہے جس کی تفصیل ابتدا میں گزر چکی ہے، کیونکہ بسا اوقات دو شہروں میں قصر کی مسافت ہوسکتی ہے، لیکن اختلافِ مطلع نہ ہوگا، کیونکہ دونوں ایک ہی طول البلد پر واقع ہوئے ہیں جیسے ریاض اور ماسکو۔ ❷

ثالثاً: ......خود علمائے شافعیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ علّامہ سبکی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

"واعتبار مسافة القصر في المحل ضعيف." ❸

''یعنی رؤیتِ ہلال کی وحدت کے لیے قصر کی مسافت کا اعتبار ضعیف ہے۔''

چوتھا قول:...... ایک اقلیم، انتظامی صوبہ میں جہاں کہیں بھی رؤیت ہوگی وہ پورے اقلیم کے لیے کافی ہوگی:

اس قول کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورۂ سابقہ حدیث ہے۔

وجۂ استدلال یہ ہے کہ چونکہ شام ایک اقلیم [انتظامی صوبہ] تھا اور حجاز دوسری اقلیم [انتظامی صوبہ] تھا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اقلیمِ شام کی رؤیت کا اعتبار نہیں کیا۔ ❹

اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ:

اولاً: ...... یہ چیز محلِ نظر ہے کہ اقلیم کی حد کیا ہے؟ ❺ اس کی صحیح تعیین کرنا بہت ہی مشکل ہے اور جب تک کسی چیز کی صحیح تعیین نہیں ہوسکتی تو اس پر کسی حکم کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے؟

---

❶ مجموع الفتاوى: ج٣٥ ص١٠٤.

❷ معرفة اوقات العبادات: ج٢ ص ٥٢، ٥٣.

❸ العلم المنشور: ص ٢٩، المجموع: ج٦ ص ٣٣٧.

❹ ارشاد اهل الملةص٢٧٨۔ معرفة ااوقات العبادات: ج٢ ص ٥٣.

❺ مجموع الفتاوى: ج ٣٥ ص ١٠٤.

ثانیاً: ......آج یہ بات عملی طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ اختلاف واتحادِ مطالع کا تعلق اقلیم سے قطعاً نہیں ہے، بلکہ طول البلد اور عرض البلد سے ہے۔

ثالثاً: ......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت کریب رحمہ اللہ کی خبر کو ردّ کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ شام دوسری اقلیم ہے اور حجاز دوسری اقلیم اس لیے وہاں کی رؤیت مقبول نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علّامہ سبکی رحمہ اللہ نے اس قول کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

پانچواں قول:...... ایک امام کے زیرِ حکومت رہنے والے ملکوں کی رؤیت ایک شمار ہوگی:

اس قول کے قائلین علماء کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، البتہ ان کا کہنا ہے کہ ایک امام کے زیرِ تصرّف جتنے بھی شہر ہیں وہ امام کے لیے ایک ہی شہر کی مانند ہیں، کیونکہ اس کا حکم پورے ملک پر نافذ ہے۔ [2] یہ قول چوتھے قول کے قریب قریب ہے، شاید اسی لیے علّامہ سبکی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس استدلال پر بھی چند اعتراضات ہیں:

اولاً: ......اس استدلال پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

ثانیاً: ......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جس وقت حضرت کریب رحمہ اللہ کی خبر کو ردّ کیا تھا اس وقت صوبۂ حجاز شام کی مرکزی حکومت کے تابع تھا کیونکہ خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امامِ اعظم تھے۔لیکن نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدینہ کو لکھا اور نہ ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اہلِ شام کی رؤیت پر اعتماد کیا۔

ثالثاً: ...... پوری تاریخِ اسلام میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے یا بعد میں آنے والے بادشاہوں نے لوگوں کو مرکزِ خلافت کی یا ملک کی کسی دوسری جگہ کی

[1] العلم المنشور : ص ٢٩ .

[2] الكافی لابن عبد البر : ج١ ص ٤٣٥ـ طرح التثريب :ج٤ ص ١١٦، ١١٧ .

رؤیت کے تابع کیا ہو۔

رابعاً: ......ایک ہی ملک کی زمین میں جب اس کی حدود بڑی ہوں تو مطلع کا اختلاف ہوسکتا ہے جیسا کہ یہ امر مشاہدے میں آرہا ہے۔

مملکت سعودی عرب میں اسی پر عمل ہورہا ہے، بطور دلیل اگرچہ یہ قول ضعیف ہے، لیکن معاشرتی یکجہتی کے اعتبار سے قوی ہے [1] اس لیے اگر کوئی شخص کسی ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں اس قول پر عمل ہورہا ہو تو اس کی مخالفت مناسب نہیں ہے۔

چھٹا قول:......نماز کے وقت کے فرق سے رؤیت کا فرق کرنا:

یعنی اگر دو شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ ایک شہر میں اگر ظہر کی نماز کا وقت ہے تو دوسرے شہر میں عصر یا مغرب کا وقت داخل ہو چکا ہے، تو ایسے دو شہروں کی رؤیت میں فرق مانا جائے گا۔ [2]

یہ قول اصل میں کوئی مستقل قول نہیں ہے بلکہ اختلافِ مطالع کی حدود کا بیان ہے، یعنی اگر دو شہروں میں اتنی مسافت ہو کہ ایک شہر میں ایک نماز کا وقت ہو اور دوسرے شہر میں دوسری نماز کا وقت تو وہاں مطلع کا فرق پڑسکتا ہے ورنہ نہیں۔ اسی کے قریب قریب فقہاء کا یہ قول بھی ہے کہ اگر دو شہروں میں ایک ماہ کی مسافت کی دوری ہو تو مطلع کا اختلاف مانا جائے گا ورنہ نہیں۔ [3]

اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ اولاً اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، ثانیاً اختلافِ مطالع کا تعلق مسافت سے نہیں ہے بلکہ طول البلد اور عرض البلد سے ہے۔ جیسا کہ -اختلافِ مطلع-

---

[1] الشرح الممتع : ج٦ ص ٣٢٣ .

[2] عُلامۂ وقت ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ اور مشہور مجلّہ الاعتصام پاکستان کے مستقل فتویٰ نگار شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی نے یہی فتویٰ دیا ہے۔(الاعتصام ، جلد ٤٧ ، عدد ٣ ۔) بعض قدیم فقہاء نے بھی یہ بات کہی ہے، لیکن بوقتِ تحریر اس کتاب کا نام میرے ذہن میں نہیں ہے۔

[3] المرعاۃ: ج٦ ص ٤٣٦ ، ٤٣٧۔ تنبیہ الغافل والوسنان: ص١٠٥ .

کے عنوان سے یہ تفصیل گزر چکی ہے۔

ساتواں قول:......ایک ہی رات میں خبر پہنچنے کی مسافت کو اصول بنانا:

اگر کسی جگہ رؤیتِ ہلال کا شرعی ثبوت مل چکا ہے تو وہاں سے چاروں سمت جتنی دور تک رات بھر میں خبر پہنچائی سکتی ہے وہاں تک کے لیے یہ رؤیت معتبر مانی جائے گی، اس کے بعد کے لیے نہیں۔ [1] ظاہر میں اس قول کا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ رؤیتِ ہلال کی بنیاد پر روزہ رکھنا یا ترک کرنا ہے، اس لیے روزے کا وقت شروع ہونے سے قبل جہاں تک خبر پہنچ سکتی ہے وہاں تک کے لیے اس علاقے کی رؤیت معتبر مانی جائے گی کیونکہ اگر روزہ شروع کرنے سے پہلے خبر نہ پہنچ سکے گی تو اس رؤیت کا عملاً کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

شاید یہ قول شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول کا خلاصہ ہے کہ:

”والأشبه أنه اِن رؤي بمكان قريب وهو ما يمكن أن يبلغهم خبره في اليوم الأول فهو كما لورؤي في بلدهم ولم يبلغهم.“ [2]

”حق کے زیادہ مشابہ یہ قول ہے کہ اگر چاند کسی ایسے قریبی شہر میں دکھائی دے جہاں سے پہلے دن خبر پہنچانا ممکن ہو تو گویا اس شہر ہی میں دکھائی دیا ہے جس کی خبر پہنچ نہ سکی۔“

اس استدلال پر یہ اعتراض کہ:

اولاً:...... یہ اس وقت کی بات ہے جب وسائلِ ابلاغ فطری اور عادی تھے اور آج جیسے تیز رفتار اور برقی وسائل ایجاد نہیں ہوتے تھے، اس لیے یہ قول کوئی ضابطہ نہیں ہے۔

ثانیاً:......قرآن وحدیث اور سلفِ صالحین کے اقوال سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

ثالثاً:...... کتب تاریخ وسیر میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ مسلمان خلفاء چاند دیکھنے کے بعد اس طریقے سے رؤیت کی خبر چاروں طرف بھیجتے رہے ہوں۔

---

[1] الشرح الممتع: ج٦ ص٣٢٣.

[2] مجموع الفتاوی: ج٢٥ ص ١٠٦.

ترجیح اور کاتبِ مقالہ کی رائے

زیرِ تحریر مقالہ میں دو موضوع خصوصی طور پر زیرِ بحث آئے ہیں:

(۱)......قمری مہینوں کا ثبوت بذریعہ علمِ فلک یا رؤیت؟

(۲)...... تمام عالمِ اسلامی کے لیے وحدتِ رؤیت یا اختلافِ رؤیت؟

پہلے موضوع سے متعلق نصوصِ قرآن وحدیث اور ان کی تشریح وتوضیح سے مذکور علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں حتمی طور پر یہ ظاہر ہوا کہ قمری مہینوں کے ثبوت کے لیے رؤیتِ ہلال یا گنتی کے تیس دنوں کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اور آج تک جن علمائے کرام کے اقوال کا اعتبار رہا ہے ان کا اجماع ہے کہ اس بارے میں علمِ حساب وفلکیات پر اعتماد جائز نہیں، اور جہاں تک علاّمہ اُحمد شاکر رحمہ اللہ اور ان کے ہمنوا حضرات کے قول کا تعلق ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر واجب ہے کہ علم فلکیات پر اعتماد کر کے قمری مہینے کی ابتدا کو قبول کریں تو یہ ایسا قول ہے کہ ان سے قبل کسی عالمِ دین نے یہ بات نہیں کہی، اور حق یہ ہے کہ علاّمہ مرحوم کے اقوال کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ علاّمہ موصوف بھی اپنے اس قول سے رجوع کر چکے ہیں۔

جہاں تک دوسرے موضوع کا تعلق ہے تو اس بارے میں وحدتِ رؤیت اور عدمِ وحدتِ رؤیت دونوں طرف کے دلائل کا موازنہ کرنے سے راجح قول یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحدتِ رؤیت کے لیے اتفاق مطلع شرط ہے اور اختلافِ مطالع کی صورت میں ہر علاقے کے لوگ اپنی اپنی رویت پر اعتماد کریں، یہی قول عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں قوی معلوم ہوتا ہے۔

راقمِ مقالہ کے مطالعے کے مطابق یہی مسلک جمہور محدّثین اور فقہاء کی ایک بہت بڑی جماعت کا ہے، بلکہ حافظ ابن عبد البر، علاّمہ ابن رُشد اور ابنِ جزئی کلبی نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے، لیکن چونکہ عمومی طور پر فقہاء اور عصرِ حاضر کے بعض مؤلفین اس قول کو جمہور علماء کے قول کے خلاف کہتے ہیں، اس لیے غیر مناسب نہ ہوگا اگر چند باتیں اس سے متعلق تحریر کر دی جائیں۔

اولا:...... یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو قول جمہور علماء کا ہو وہ حق سے زیادہ قریب اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی بھی ہو، جیسا کہ علمی دنیا میں کام کرنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ متأخرین میں اہلِ تحقیق علمائے اہلحدیث نے متعدد مسائل میں قوی دلائل کی بنیاد پر جمہور علماء کی مخالفت کی ہے جیسے کہ طلاقِ ثلاثہ اور بیس رکعاتِ تراویح وغیرہ، میری اس تحریر کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ میں مذہبِ جمہور کو اہمیت نہیں دیتا، بلکہ ایک طالب علم کی حیثیت سے راقمِ سطور کا یہ تجربہ ہے کہ عام طور پر جمہور کے مسلک کو چیلنج کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا اور چھوٹے علماء اور طالب علموں کو اچھی طرح غور وفکر کے بغیر جمہور کی رائے کو چیلنج نہیں کرنا چاہیے، البتہ جہاں دلائل روزِ روشن کی طرح واضح ہوں وہاں جمہور کی نہیں بلکہ دلیل کی قوت مانی جائے گی۔

ثانیا:...... بہت سے مؤلفین جب کسی مسئلے کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ جمہور کا مسلک ہے، یا اس پر اجماع ہے، تو بسا اوقات اس میں اپنی رائے کی طرف جھکاؤ پایا جاتا ہے، ہوتا یوں ہے کہ جب کسی فقیہ یا عالم نے اپنی تحقیق اور معلومات کی بنیاد پر کسی مسئلے کو جمہور کا قول کہہ دیا، یا اس پر اجماع نقل کر دیا ہے، تو متأخرین بغیر کسی تحقیق وتمحیص کے اس نقل پر اعتماد کر لیتے ہیں حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہاں پر لفظِ جمہور کا استعمال غلط ہے یا پھر آئمہ اَربعہ کے مقلدین کے جمہور فقہاء مراد ہوتے یں [نہ کہ جمہور علماء یا جمہور محدِّثین] سر دست زیرِ بحث موضوع کو لے لیا جائے کہ وحدتِ رؤیت کے مؤیّدین بڑے زوردار انداز سے کہہ دیتے یا لکھ دیتے ہیں کہ جمہور علماء یا جمہور فقہاء ومحدِّثین وحدتِ

رؤیت کے قائل ہیں [1] حالانکہ اس مسئلے پر تحقیقی نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اگر تمام نہیں تو جمہور محدِّثین اس مسئلے میں توحیدِ رؤیت کے خلاف ہیں جیسا کہ کتب حدیث پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

[1] جس کی ایک قریب مثال یہ ہے کہ جریدہ ترجمان دہلی جلد ۲۲ شمارہ ۴۰، ۴۱ کے ص ۱۳، ۱۴ پر ایک مضمون شائع ہوا، جس کا عنوان ہے ''ایک ملک کی رؤیتِ ہلال'' [بعد میں معلوم ہوا کہ فاضل مضمون نگار نے اس بارے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے اور اسمیں میں یہی کچھ لکھا ہے] فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ جمہور فقہاء ومحدِّثین کا یہی قول ہے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر موصوف نے اپنے مخالف کو ہٹ دھرم قرار دیا ہے۔ [لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ] حالانکہ یہ مضمون یا تو موصوف کی اپنی ذاتی تحقیق نہیں ہے [اور بدقسمتی سے بعض مؤلفین اور مضمون نگار حضرات میں یہ مرض بڑھتا جا رہا ہے] یا پھر انھوں نے علمی تحقیق کا حق ادا ہی نہیں کیا ہے، جسکا اندازہ درج ذیل نقاط پر غور کرنے سے ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''مذکورہ مضمون کی تائید وحمایت میں درج ذیل علماء وفقہاء اور محدِّثین کی آراء سامنے آئیں۔''

(۱)...... جمہور فقہاء اور محدِّثین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ...... الخ

یہ قول کس قدر حقّانیت پر مبنی ہے، اس کی حقیقت اوپر ذکر کی جا رچکی ہے۔

(۲)...... موصوف نے دوسرا نام شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی کا لیا ہے، چنانچہ المسوّیٰ شرح الموطأ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ''امام شافعی رحمہ اللہ رؤیتِ ہلال صرف چاند دیکھنے والے ملک اور اس کے قریبی ممالک میں معتبر مانتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ایک ملک کی رؤیتِ ہلال کو دیگر تمام ممالک میں قبول کئے جانے کے قائل ہیں۔''

اب سوال یہ ہے کہ محض دونوں قول نقل کر دینے سے شاہ صاحب کا مسلک کیسے جان لیا گیا؟ کیونکہ شاہ صاحب کی عبارت میں کسی ایک قول کی ترجیح کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔

(۳)...... تیسرا نام موصوف نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا لیا ہے اور بطورِ دلیل مجموع فتاویٰ سے ایک مجمل قول نقل کیا ہے، جبکہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ اختلافِ مطالع اور اس کے اعتبار کے قائل ہیں، چنانچہ الاختیارات الفقهية میں لکھتے ہے:

"تختلف المطالع باتفاق أهل المعرفة بهذا، فان اتفقت لزم الصوم والا فلا وهو الأصح للشافعية وقول فى مذهب أحمد" ص۱۰۶

''یعنی علمِ فلک کی معرفت رکھنے والے اہلِ علم اس پر متفق ہیں کہ اختلافِ مطالع ایک حقیقت ⇦⇦

⇦⇦ ہے اس لیے اگر مطلع ایک رہے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ مذہبِ شافعی کا صحیح قول یہی ہے اور امام احمد کے مذہب میں بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے۔''

(۴)......موصوف نے چوتھا نام امام شوکانی رحمہ اللہ کا لیا ہے اور اس میں وہ حق بجانب ہیں۔

(۵)......موصوف نے پانچواں نام نواب صدیق حسن خان صاحب کا لیا ہے جس پر دو اعتراضات ہیں:

اولاً:...... الروضۃ الندیۃ کے حوالے سے جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ نواب صاحب کی عبارت نہیں ہے بلکہ امام شوکانی رحمہ اللہ کی عبارت ہے، جس کی شرح نواب صاحب کررہے ہیں۔

ثانیاً:...... مذکورہ کتاب میں نواب صاحب کا رجحان بظاہر وحدتِ رؤیت کی طرف معلوم ہوتا ہے، لیکن انکی دوسری تالیف فتح العلاّم [جو الروضۃ الندیۃ کے بعد کی تالیف ہے دیکھئے مقدمه فتح العلام ۱ / ۸] کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نواب صاحب توحیدِ رؤیت کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: "وفي المسألة اقوال ليس على أحدها دليل ناهض والأقرب لزوم أهل بلد الرؤية وما يتصل بها من الجهات التي على سمتها" (۲/۶۹۰)۔نواب صاحب کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اختلاف اور اسکے اعتبار کے قائل ہیں۔

(۶)......موصوف نے چھٹا نام علاّمہ البانی رحمہ اللہ کا لیا ہے اور اس میں وہ حق بجانب ہیں۔

(۷)......موصوف نے ساتواں نام علاّمہ قصیم شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کا لیا ہے اور کاش کہ ایسا نہ کیئے ہوتے۔

موصوف لکھتے ہیں: شیخ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ مفتی مملکتِ سعودی عرب نے اپنی کتاب "مجالس شهر رمضان"، عربی، ص۱۴ پر فتویٰ دیا ہے۔جس کا ترجمہ ''مختصر مجالس رمضان'' ص ۱۲ پر ہے:......... نیز رمضان کی رؤیت ثابت ہو جانے کے بعد مطلع کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ حکم رؤیت پر موقوف ہے نہ کہ اختلافِ مطالع پر۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''چاند کی رؤیت پر صوم رکھو اور چاند کی رؤیت پر صوم توڑو''۔

موصوف نے یہی بات اپنی کتاب ''مکہ مکرّمہ کی رویت''، میں بھی نقل کی ہے اور بدقسمتی یہ کہ وہاں عربی عبارت بھی نقل کردی ہے۔

موصوف کی اس عبارت پر متعدد ملاحظات ہیں، لیکن بغرض اختصار ان تمام سے اعراض کرکے صرف ترجمہ کی غلطی پر توجہ دلاتا ہوں۔

سب سے پہلے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی عربی عبارت ناظرین کے سامنے رکھتے ہیں: ⇦⇦

⇦⇦ علاّمہ مرحوم اس سلسلۂ کلام میں گفتگو کر رہے ہیں کہ دخولِ رمضان کا حکم دو باتوں سے ثابت ہوگا:

اولا:...... چاند دیکھنا۔ (دوم)......شعبان کے تیس دنوں کا پورا ہونا۔

رؤیتِ ہلال، اس کے ثبوت کی شرائط، چاند دیکھنے والے کی ذمہ داری اور حکومت کی طرف سے چاند کے ثبوت کا اعلان ہو جانے کے بعد اسکے مطابق عمل کے وجوب وغیرہ کے بیان کے بعد لکھتے ہیں:

"واذا ثبت دخول الشهر ثبوتا شرعيا فلا عبرة بمنازل القمر لأن النبی ﷺ علق الحكم برؤية الهلال لابمنازله فقال ﷺ:

((اِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاَفْطِرُوْا .)) (مجالس شهر رمضان ص١٤)

اور جب [رمضان المبارک کے] مہینے کے دخول کا شرعی ثبوت مل جائے تو منازلِ قمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے دخولِ ماہ کو رؤیتِ ہلال پر معلق کیا ہے، منازلِ قمر سے نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((اِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاَفْطِرُوْا .))

''یعنی جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو افطار کرو۔''

میری سمجھ کے مطابق علاّمہ مرحوم یہ بات ان لوگوں کے ردّ میں لکھ رہے ہیں جو رؤیتِ ہلال پر اعتماد نہ کر کے علمِ فلک پر بھروسہ کرتے ہیں۔

لیکن غور کریں کہ موصوف نے شیخ رحمہ اللہ کی عبارت کا مطلب بالکل ہی دوسری طرف پھیر دیا ہے۔

چنانچہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''منازل القمر'' کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس کا ترجمہ مضمون نگار نے ''مطلع کا اعتبار نہ ہوگا'' سے کیا ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ " علق الحكم برؤية الهلال لا بمنازله "یعنی شریعت نے دخولِ ماہ کو رؤیتِ ہلال سے معلّق کیا ہے؟ ''منازلِ قمر'' سے نہیں، اس عبارت کا ترجمہ موصوف نے: ''حکم رویت پر موقوف ہے نہ کہ اختلافِ مطلع پر'' سے کیا ہے، یعنی ایک غلطی تو یہ کہ منازل کا ترجمہ مطالع سے کیا جارہا ہے جبکہ یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں۔

ثانیا:......لفظ ''اختلاف'' کا اضافہ کر دیا جارہا ہے تاکہ اپنا مدعا ثابت کیا جاسکے۔

ترجمہ کی یہ غلطی موصوف مضمون نگار کی جلد بازی یا پھر کسی اور کے ترجمہ پر اعتماد کا نتیجہ ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ محترم مضمون نگار نے اپنی تائید میں سات نام درج کیئے ہیں، جن میں سے وہ صرف دو کے بارے میں حق بجانب ہیں، پھر بھی کس دلیری سے کہہ رہے ہیں کہ کچھ علماء اس مسئلے میں قدرے ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے جھٹ سے کہہ دیتے ہیں...... الخ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ.

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جس سے ''وحدتِ رؤیت'' کے کافی نہ ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، اس حدیث کی تخریج جن جن محدِّثین نے کی ہے، تمام نے یہی استدلال کیا ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لیے معتبر نہیں ہے۔

علیٰ سبیل المثال:

(۱)......امام ابوعبداللہ محمد بن عیسی الترمذیؒ اپنی سنن میں باب منعقد کرتے ہیں:

"باب ماجاء لكل أهل بلد رؤيتهم."

''باب اس بیان میں کہ ہر شہر کے لوگ اپنی رؤیت پر اعتماد کریں۔''

اس باب میں امام ترمذیؒ نے حضرت کریب عن ابن عباس کی وہی حدیث نقل کی ہے جس کا ذکر اس سے قبل آ چکا ہے [1] امام ترمذی آگے لکھتے ہیں:

[حديث ابن عباس حديث حسن صحيح غريب والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم أن لكل بلد رؤيتهم][2]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح غریب ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ ہر ملک والوں کے لیے اپنی رؤیت ہے۔''

(۲)......سننِ اَربعہ کے ایک اور مؤلف امام ابوعبد الرحمٰن النسائی رحمہ اللہ اپنی کتاب السنن الکبریٰ اور المجتبیٰ [السنن الصغریٰ] میں حدیث ابن عباس کے لیے یہ باب منعقد فرماتے ہیں۔

[باب اختلاف أهل الآفاق فى الرؤية][3]

''اہلِ آفاق کا رؤیتِ ہلال میں اختلاف کا بیان''

---

[1] سنن الترمذی ۳/ ۷٦ ـ كتاب الصيام: ۹ .

[2] امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عصر تک اس سلسلے میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو قابلِ ذکر نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

[3] السنن الكبرى ۲/ ٦۷ ، والسنن النسائی ۳/ ١٦ باب: ٥ .

(۳)......سنن اَربعہ کے ایک تیسرے مصنف امام ابو داود رحمہ اللہ اسی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے باب باندھتے ہیں:

[باب اذا رؤى الهلال فى بلد قبل الآخرين بليلة [اى فما الحكم؟] ❶

''یہ باب کہ اگر کسی ملک میں چاند دوسرے ملک سے پہلے دکھائی دے تو کیا حکم ہے؟''

(۴)......صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے مشہور امام محمد بن اسحاق ابن خزیمہ رحمہ اللہ اپنی صحیح میں یہ باب باندھتے ہیں:

[باب الدليل على أن الواجب على أهل كل بلدة صيام رمضان لرؤيتهم لا لرؤية غيرهم]

''اس حکم کی دلیل کہ ہر ملک والوں پر روزہ رکھنا اپنی رؤیت پر واجب ہے نہ کہ کسی غیر کی رؤیت پر۔''

پھر وہی حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں جس کا ذکر چل رہا ہے۔ ❷

(۵)......حافظ عبدالعظیم منذری رحمہ اللہ ''صحیح مسلم'' کی تلخیص میں حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے لیے یوں باب باندھتے ہیں:

[باب لكل بلد رؤيتهم]❸

(٦)......امام نووی رحمہ اللہ نے بھی صحیح مسلم کی شرح کرتے ہوئے جب اس کی تبویب کی تو انھوں نے بھی اس حدیث [ابنِ عباس رضی اللہ عنہما] کے لیے یہ باب باندھا ہے:

[باب بيان أن لكل بلد رؤيتهم وأنهم اذا رأوا الهلال ببلد لا

❶ سنن ابو داود ۔ ابواب الصوم ۔ باب: ۹ .

❷ صحیح ابن خزیمه ۳/ ۲۰۵ .

❸ مختصر صحیح مسلم ص ١٥٦ ، تحقیق الالبانی .

يثبت حكمه لما بعد عنهم] ❶

''باب اس بیان میں کہ ہر ملک والوں کے لیے اپنی رؤیت ہے اور اگر کسی شہر میں چاند ہوگیا تو اس شہر سے دور ملکوں کے لیے یہ حکم ثابت نہ ہوگا۔''

(۷)......ایک سے زائد مؤلفین نے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ:

[باب البخاری :با ب لكل بلد رؤيتهم] ❷

(۸)......امام مجد الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "منتقی الأخبار" میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے یوں باب باندھتے ہیں:

[باب الهلال اذا رأوه اهل بلد هل يلزم بقية البلاد الصوم؟] ❸

''باب یہ ہے کہ اگر ایک شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا باقی شہروں کو روزہ رکھنا لازم ہوگا؟''

(۹)......مشہور محدِّث امام ابن الاثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "جامع الاصول فی احادیث الرسول" میں حدیثِ ابنِعباس رضی اللہ عنہما کے لیے یہ باب باندھتے ہیں:

[باب اختلاف البلد فی الرؤیة] ❹

''شہروں کا چاند دیکھنے میں اختلاف۔''

(۱۰)...... اور آخر میں جنھیں فی الحقیقت سب سے پہلے آنا چاہیے، امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ وغیرھما کے استاذ امام ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "المصنف فی

---

❶ شرح صحيح مسلم ۷ / ۱۹۷ .

❷ امام القرطبی ۶۷۱ھ۔ تفسير القرطبی ۲ / ۷۵۶ حافظ السبكی ۷۵۶ھ العلم المنشور ص۲۸ والفقيه القرافی ۶۸۴ھ۔ الذخيره ۲ / ۴۹۱ ، واضح رہے کہ صحیح البخاری کے موجودہ نسخہ میں یہ باب موجود نہیں ہے، معلوم نہیں کہ یہ نسخوں کا اختلاف ہے یا ان ائمہ کا سہو۔ واللہ اعلم۔

❸ منتقى الاخبار ۲ / ۱۶۲ .

❹ جامع الاصول ۶ / ۳۲۵ .

الاحـادیث والاثار" میں یہ باب منعقد فرماتے ہیں:" فـی القوم یرون الھلال ولا یـرونـه الآخرون" پھراس کے تحت عبداللہ بن سعید کا ایک اثر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

[ذکـروا بالمدینة رؤیة الھلال وقالوا :ان اھل استارةقد راوه،
فقال القاسم وسالم : مالنا ولأھله استارة] [1]

''مدینہ منوّرہ میں لوگوں نے بیان کیا کہ اہلِ 'استارہ' نے چاند دیکھا ہے تو قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ نے کہا کہ ہمیں استارہ سے کیا واسطہ۔''

کتبِ حدیث کا یہ سرسری جائزہ تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیرِ بحث مسئلے میں محدِّثین کی رائے بالکل واضح اور دوٹوک ہے کہ ہر علاقے کی اپنی اپنی رؤیتِ ہلال ہوگی اور جہاں چاند ہوجائے وہیں کے لوگ اس کے مکلّف ہوں گے؟ اس کے برعکس مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی محدِّث نے یہ باب باندھا ہو کہ:

''اس بیان میں کہ ایک ہی جگہ کی رؤیت سارے عالمِ اسلام کے لیے کافی ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم کے لیے وحدتِ رؤیت کا اعتبار جمہور محدِّثین یا جمہور علماء کا مسلک نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر صرف یہ کہا جائے کہ فقہائے مذاہبِ اربعہ کے جمہور کا قول ہے تو یہ بات کسی حد تک قابلِ غور ہوسکتی ہے۔

ثالثاً: ...... آج کل جس معنیٰ میں وحدتِ رؤیت کو جمہور کا قول قرار دیا جارہا ہے، یہ بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ میرے علم کے مطابق یہ حکمِ عام کہ خواہ اختلافِ مطالع ہو یا نہ ہو، دور ہو یا بہت دور، اقصیٰ مشرق میں ہو یا اقصیٰ مغرب میں، ہر جگہ کے لیے کسی ایک جگہ کی رؤیت کو کافی سمجھنا اور اسے بلا کسی شرط کے جمہور فقہاء کی طرف منسوب کرنا محلِ نظر ہے، کیونکہ بہت سے فقہاء جو اس بات کے قائل ہیں یا جن کی طرف وحدتِ رؤیت کا قول منسوب کیا جاتا ہے، انہوں نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ اس وحدت سے مراد وہ علاقے نہیں

[1] المصنف ٢ / ٣٢٩ .

ہیں جو دور اور بہت دور واقع ہوں۔

ذیل میں ہم چند فقہائے مالکیہ کا قول نقل کرتے ہیں جسے تفصیل درکار ہو اور دوسرے مذاہب کے فقہاء کا مسلک دیکھنا چاہے وہ فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ (سابق رئیس شئون الحرمین الشریفین ورئیس مجلس القضاء الاعلیٰ ،سعودی عرب والد داکٹر شیخ صالح بن عبداللہ بن حمید) کا کتابچہ [تبیان الأدلة فی اثبات الأ هلة] ❶ کا مطالعہ کرلے۔

(۱)......مشہور امامِ حدیث وفقہ حافظ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "الا ستذ کار" میں لکھتے ہیں:

"قد أجمعوا أن لا تراعي الرؤية فيما أخر من البلدان كالأندلس من خرسان وكذلك كل بلد له رؤية الا ما كان كالمصر الكبير وما تقاربت أقطاره من بلاد المسلمين." ❷

''علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دُوردراز شہر جیسے اَندلس سے خراسان کے لیے رؤیت کا اعتبار نہیں ہوگا، اسی ہر وہ شہر جس کی اپنی رؤیت مختلف ہے، ہاں! ایک ہی بڑے شہر اور دو ایسے شہر جن کی رؤیت ایک ہے ان کے لیے رؤیت معتبر مانی جائے گی۔''

حالانکہ یہی امام ابنِ عبدالبرؒ اپنی دوسری کتاب "الكافي في فقه اهل المدينة" میں لکھتے ہیں:

"اذا رؤي الهلال في مدينة أو بلد رؤية ظاهرة او ثبتت رؤيته بشهادة قاطعة ثم نقل ذلك عنهم الى غيرهم بشهادة شاهدين لزمهم الصوم ولم يجزلهم الافطار." ❸

---

❶ علّامہ رحمہ اللہ نے اس کتابچہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ نقل وعقل کی روشنی میں وحدتِ رؤیت کے بطلان کو ثابت کیا ہے۔

❷ الأستذكار ١٠ / ٣٠. ❸ الكافي ١ / ٣٣٤ ـ ٣٣٥.

''جب کسی شہر یا ملک میں رؤیتِ ہلال کا واضح ثبوت ہوجائے پھر اس کی خبر دوسروں کو دو گواہوں سے پہنچ جائے، تو ان پر روزہ رکھنا واجب ہوگا اور ان کے لیے افطار کرنا جائز نہ ہوگا۔''

اس کے باوجود اجماع کا دعویٰ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بعض علماء وفقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت دور وقریب ہر جگہ کے لیے کافی ہے تو اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ اس دوری سے مراد وہ دوری ہے جس کی وجہ سے مطلع میں اختلاف واقع ہو جائے، بلکہ صرف اتنی گنجائش نکلتی ہے کہ ایک ہی خط طول البلد میں واقع دور ونزدیک کے شہروں کے لیے چاند کا ثبوت مانا جاسکتا ہے۔

(۲)......ایک دوسرے مالکی امام ابن جزئی الکلبی لکھتے ہیں:

"اذا رآه أهل بلد لزم الحكم غيرهم من أهل البلدان، وفاقا للشافعي خلافا لابن الماجشون، ولايلزم البلاد البعيدة كالاندلس والحجاز اجماعا."❶

''جب کسی شہر کے لوگ چاند دیکھ لیں تو تمام شہروں کے لوگوں پر یہ حکم لاگو ہوگا اس پر امام شافعی رحمہ اللہ کی موافقت اور ابن ماجشون کی مخالفت ہے، البتہ بہت دور کے شہر جیسے اَندلس اور حجاز ہے کے لیے یہ حکم نہ ہوگا اور اس پر اجماع ہے۔''

(۳)......ایک تیسرے مالکی عالم وفقیہہ امام ابن رشد اپنی مشہور کتاب "بداية المجتهد" میں لکھتے ہیں:

"واجمعوا انه لايراعى ذالك فى البلدان النائية كالاندلس والحجاز."❷

''اس پر علماء کا اجماع ہے کہ بہت دور کے شہر جیسے اَندلس وحجاز میں یہ حکم نافذ

❶ القوانين الفقهيه ص٧٩.

❷ بداية المجتهد ٢ / ٥٦٣.

نہ ہوگا۔“

(۴)......ایک اور مالکی فقیہ محمد الدسوقی المتوفیٰ ۱۲۳۰ھ نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ ”رؤیتِ ہلال“ کے سلسلے میں فقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ کسی ایک جگہ کی رؤیت دور ونزدیک ہر جگہ کے لیے کافی ہے تو اس سے مراد بہت دور کے شہر نہیں ہیں۔ ❶

(۵)......اسی طرح ”موسوعة الفقه المالكی“ کے مؤلف لکھتے ہیں:

”اذا رآه أهل بلد لزم الحكم غيرهم من أهل البلدان، وفاقا للشافعي خلافا لابن الماجشون، ولايلزم البلاد البعيدة جدا كالاندلس والحجاز اجماعاً.“❷

اس مفہوم کے مزید اقوال کو ذکر کر کے بحث کو طول نہیں دینا چاہتا بلکہ صرف یہ بتادینا مقصود ہے کہ فقہائے متقدمین نے جو یہ کہا ہے کہ ایک شہر کی رؤیت دور ونزدیک ہر جگہ کے لیے کافی ہے تو اس سے مراد ایسی دوری نہیں ہے کہ اس دوری کی وجہ سے مطلع کا اختلاف ہو جائے، کتبِ فقہ وحدیث کے مطالعہ سے راقمِ سطور نے تو یہی سمجھا ہے۔ اب اہل علم اور خصوصاً فقہ واصول سے تعلق رکھنے والے اصحاب کو اسطرف توجہ دینی چاہیے کہ رؤیتِ ہلال کی وحدت کے بارے میں فقہاء نے جو قریب وبعید کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے متعلق میری سمجھ کہاں تک صحیح ہے؟ مجھے اپنی رائے پر نہ اصرار ہے اور نہ ہی میری سمجھ کوئی حرفِ آخر ہے، نیز یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ مشہور محقق ڈاکٹر بکر بن ابو زید حفظہ اللہ نے بھی رؤیتِ ہلال کی عدمِ وحدت کو جمہور اہلِ علم اور آئمۂ ثلاثہ کا مذہب قرار دیا ہے، جس سے میری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم ❸

نیز شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے جب مجمع الفقهی الاسلامی منعقدہ ۱۴۰۶ھ میں وحدتِ رؤیت

---

❶ حاشية الدسوقی علی الشرح الكبير ۲/ ۱۳۱ .

❷ موسوعة الفقه المالكی ۵/ ۳۶۳ .

❸ فقه النوازل ۳ / ۳۳۳ .

کو جمہور کا مذہب قرار دیا تو مناقشہ میں رئیس مجلس [شیخ ابن باز رحمہ اللہ] نے ان الفاظ میں اعتراض کیا:

[يافضيلة الشيخ نقطة توضيحية بسيطة : الحقيقه أن اختلاف المطالع هو الذى عليه الجمهور وأنتم تفضلتم وقلتم ان الذى عليه الأكثر هو الجائز حتى ان ابن عبد البر حكى الاجماع على اختلاف المطالع .]

تو اس کے جواب میں شیخ مصطفیٰ نے صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا:

"لكم رأيكم وأنا رأيى أنه يكفينا أن نلقى الله برأى امامين عظيمين ولو خالفهما الاكثر ." [1]

"لہٰذا اگر کوئی شخص وحدتِ رؤیت کے برعکس یہ کہے کہ گذشتہ نقول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِ قدیم سے آئمہ مجتہدین کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اختلافِ مطالع کی صورت میں وحدتِ رؤیت کا اعتبار نہیں ہوگا تو وہ بڑی حد تک حق بجانب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اختلافِ مطلع کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا حکم بھی بدلے گا کاتبِ مقالہ کے نزدیک راجح مسلک یہی ہے۔ امام حافظ ابن عبدالبر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر تقریباً اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

[الى القول الاول أذهب لان فيه اثرا مرفوعا وهو حديث حسن تلزم به الحجة وهو قول صاحب كبير لا مخالف له من الصحابة وقول طائفة من فقهاء التابعين ومع هذا ان النظر يدل عليه عندى لأن الناس لا يكلفون علم ما غاب عنهم فى غير بلدهم ولو كلفو ذالك لضاق عليهم .] [2]

---

[1] مجلة مجمع الفقه الاسلامى العدد الثانى الجزء الثانى ص ٩٩٢ .

[2] التمهيد ١٤/ ٣٥٧ .

''میں پہلے مسلک کو اختیار کرتا ہوں کیونکہ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث ہے جو حسن کے درجہ کو پہنچتی ہے، جس سے حجت قائم ہوجاتی ہے، یہی قول ایک بڑے صحابی [حضرت ابن ِعباس رضی اللہ عنہما] کا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ان کا کوئی مخالف نہیں ہے، تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں سے فقہاء کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔ علاوہ ازیں میرے نزدیک عقل بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ جو چیز لوگوں سے غائب ہوانھیں اس کا مکلّف نہیں بنایا جاسکتا، اگر ایسا کیا جائے تو انھیں بڑی مشقت کا سامنا ہوگا۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ۔جیسا کہ الاختیارات الفقہیۃ سے ظاہر ہے [1]

امام خطابی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" قوله ﷺ :اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ، جعل ﷺ العلة فی وجوب الصوم رؤية الهلال وأوجب على كل قوم أن يعتبروه بوقت الرؤية في بلادهم دون بلادغيرهم ، فإن البلاد تختلف أقاليمها في الارتفاع والانخفاض فربما رؤي الهلال فی بعضها ولم ير في بعض ، فحكم أهل كل أقليم معتبر بأرضهم وبلادهم دون بلاد غيرهم ." [2]

''آپ ﷺ کا فرمان : (اِذَارَاَیْتُمُوْهُ) اس حکم میں اللہ کے رسول ﷺ نے وجوبِ صوم کے لیے رؤیت کو علت قرار دیا ہے اور ہر قوم پر واجب قرار دیا ہے کہ ہر قوم کے لوگ اپنے شہر کی رؤیت اور اس کے وقت کا اعتبار کریں نہ کہ دوسرے شہر کی رؤیت کا کیونکہ ایک بعض ملک دوسرے ممالک سے ارتفاع

[1] الاختیارات الفقهية ص٢٩ ، یہیں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف وحدتِ رؤیت کی نسبت کی ہے، وہ صحیح نہیں ہیں۔

[2] اعلام الحديث شرح صحيح البخاري ٢ / ٩٤٣ .

و انخفاض (سطحِ سمند سے بلندی وپستی) میں مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے بسا اوقات ایک شہر میں چاند دکھائی دیتا ہے اور دوسرے شہر میں دکھائی نہیں دیتا، اس لیے ہر علاقے کا حکم اس سرزمین میں معتبر ہوگا، دوسرے شہروں میں نہیں۔''

ہند و پاک کے جمہور علمائے اہلُ الحدیث کا بھی یہی مسلک رہا ہے، ❶ مشہور عالم علامہ ابوسعید شرف الدین رحمہ اللہ محدث دہلوی اور حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں مستقل مقالے تحریر کیئے ہیں ❷، آں جناب نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ''فتح العلام'' شرح بلوغ المرام میں اِسی مذہب کو اختیار کیا ہے، ❸ سعودی عرب کے مقتدر علماء کی فتاویٰ کمیٹی نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، ❹ نیز رابطہ عالمِ اسلامی کے زیرِ نگرانی کام کرنے والی کمیٹی مجمع الفقہ الِاسلامی نے اِسی کی تائید میں قرار صادر کیا ہے، ❺ بلکہ سعودی عرب کے جمہور فقہاء وعلماء نے اِسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور اپنے فتووں میں اِسی مسلک کو تفصیل سے واضح کیا ہے، خصوصاً شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنے متعدد فتوؤں میں اس موضوع کو مدلل بیان کیا ہے، ❻ خود سماحۃ العلامۃ ابن باز رحمہ اللہ ❼ نے بھی اس مسئلے کو

---

❶ فتاوی ثنائیه ۱ / ۴۲۵ ، شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ نے المرعاۃ ج٦ ص ۳۰۵ ، ۳۰٦ طبعة قديمه۔ اور رمضان سے متعلق رسالے میں اسی کو راجح قرار دیا ہے ص ۸، ۹۔

❷ دیکھئے: فتاوی ثنائیه ۱ / ٦٥۹ : فتاوی اهلحدیث ۳ / ۳۰۹ .

❸ فتح العلام ۲ / ٦۹۰ ، بلوغ المرام کے شارح امیر یمانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ سبل السلام ۲ / ۳۱۰۔

❹ ابحاث هيئة كبار العلماء ۳ / ۲۹ وفتاویٰ شیخ ابن باز رحمہ اللہ ۱۵ / ۷٤ .

❺ مجلة مجمع الفقه الاِسلامی عدد۲ ، ۲ / ۹۲۵ ، نیز دیکھئے: قرارات المجمع الفقهی الاسلامی ص ۸۲ ، ۸۳ .

❻ دیکھئے: فتاویٰ ورسائل شیخ عبدالرزاق عفیفی ص٤۲۳ ، المنتقیٰ من فتاوی الشیخ الفوزان ج ۳ص ۱۲۳ ، ۱۲۵ فتاویٰ رمضان ص ۱۰٦ ، ۱۰۷ اورفتاوی ابن عثیمین ج۱۹ ص ٤٤ تا٦۲ ۔

❼ یہ بات اس لیے کہی جارہی ہے کہ لوگ جب اس موضوع کو چھیڑتے ہیں تو مذکورہ شخصیات خصوصاً ابنِ باز رحمہ اللہ کا نام بڑے زوردار انداز سے لیتے ہیں۔

دلیل کے لحاظ سے قوی تسلیم کیا ہے، حالانکہ شیخ کا مسلک اور فتویٰ توحیدِ رؤیت کے اعتبار پر ہے، چنانچہ اپنے ایک فتوے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا القول له حظه من القوة وقد رأى القول به أعضاء مجلس هيئة كبار العلماء فى المملكة العربية السعودية جمعا بين الأدلة، والله ولي التوفيق۔ [1]

''یہ قول بھی قدرے قوی ہے اور دلیلوں میں تطبیق دیتے ہوئے مملکت سعودی عرب کے مقتدر علماء کی کمیٹی کے ممبران نے اِسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔''

وحدتِ رؤیت کی تائید میں جہاں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ جمہور فقہاء ومحدّثین کا یہی مسلک ہے، وہیں پر یہ نکتہ بڑے زور وشور سے اٹھایا جاتا ہے کہ عید وبقرعید اور روزہ وغیرہ میں مسلمانوں کے اتحاد کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی وحدت برقرار رہتی ہے، اور یہ بہت ہی غیر معقول بات ہے کہ ایک کلمہ پڑھنے والے مسلمان اپنی سالانہ تقریبات کے موقعہ پر مختلف نظر آئیں، کوئی جمعرات کو عید منا رہا ہے اور کسی نے اس سے قبل چہارشنبہ کو عید منالی ہے، جبکہ کوئی جمعہ کو، اس طرح مسلمان غیر قوموں کی نظر میں مضحکہ خیز بن جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایسا نکتہ ہے جسے علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے خوب اٹھایا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جب بھی وحدتِ رؤیت کا موضوع چھیڑا ہے اس کا ذکر ضرور ہی کیا ہے۔ [2]

ہم ان بزرگوں کے ان جذبات کی قدر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اولاً تو وحدتِ رؤیت کی شکل میں کسی بھی طرح یہ جذبات پورے نہیں ہو سکتے، خواہ دنیا کے کسی مقام کو مرکزِ رؤیت مان لیا جائے یا عام چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دن

[1] فتاوى ابن باز ١٥ / ٨٤ .

[2] دیکھئے: مجله مجمع الفقهى عدد٢ جلد٢ .

ورات کی آمد ورفت کا کچھ ایسا سلسلہ قائم کررکھا ہے کہ یہ اتحاد ممکن ہی نہیں ہے، جیسا کہ اس کی بعض مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں، یہاں ایک اور مثال پر غور کر لیجئے۔

یہ بات معلوم ہے کہ جزیرہ فیجی (Fuji) میں جب صبح ہوتی ہے تو لندن(London) میں اس وقت سورج ڈوبنے کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔اور فیجی(Fuji) میں یہ صبح وہ ہوتی ہے جس صبح کا سورج لندن(London) میں ابھی بارہ گھنٹے یا اس کے کچھ بعد طلوع ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر لندن میں روزے کا چاند یا عید کا چاند دکھائی دیتا ہے، تو اہلِ فیجی کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ اگر انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے تو انھوں نے طلوعِ فجر سے قبل روزے کی نیت نہیں کی ہے، بلکہ چونکہ ان کے یہاں ابھی شعبان کی اٹھائیس یا انتیس تاریخ ہوگی اس لیے رات میں نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر اگر انھیں روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تو توحیدِ صوم کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اسی پر عید کو بھی قیاس کر لیا جائے۔ نیز اگر یہی مسافت مشرق میں اور بڑھا دی جائے تو روزہ وعید میں وحدت کا مسئلہ اور بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اس لیے حق تو یہ ہے کہ رؤیتِ ہلال کی بنیاد پر مسلمانوں کی عید اور روزے میں وحدت کا مسئلہ مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ فَلْيَتَدَبَّرُوْا يَا أُولِي الْاَ بْصَارِ ۔

ثانیاً: ......احکام شریعت میں تبدیلی یا اس کے بارے میں رواداری سے اسلامی وحدت برقرار نہیں رہ سکتی، بلکہ انسانی دلوں، جسموں اور ماحول پر اسلامی قوانین کا نفاذ ہی اسلامی وحدت کی ضمانت ہے۔ اگر یہ چیز غائب رہی تو عید و روزہ اور بقرعید وغیرہ میں وحدت پیدا کر کے مسلمانوں کی حقیقی قوت بحال نہیں کی جا سکتی۔

ماضی قریب کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وحدتِ عید وروزہ کے ذریعے اُمت میں وحدت پیدا کرنے کی یہ کوئی نئی آواز نہیں ہے، چنانچہ آج سے تقریباً تیس سال قبل پاکستان میں یہ آواز اٹھائی گئی تھی کہ مشرقی پاکستان [موجودہ بنگلا دیش] اور مغربی پاکستان کی عید وروزے میں وحدت ہونی چاہیے، ایک بار ایسا ہوا کہ مشرقی پاکستان میں رؤیتِ ہلال کی شہادت نہ ملنے کے باوجود زبردستی عید منوائی گئی اور لوگوں کو افطار کرنے پر مجبور کیا گیا، اس

واقعہ پر شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ (گوجرانوالہ) نے الاعتصام ۷ اپریل ۱۹۶۷ء میں ایک لمبا مضمون لکھا جس میں رؤیتِ ہلال سے متعلق موجودہ مسائل پر گفتگو کی اور آخر میں تحریر فرمایا:

عید اور وحدتِ ملت:

۲۹ رمضان کے ریڈیو سے معلوم ہوا کہ ڈھاکہ (Dhaka) میں چاند نظر نہیں آیا، لیکن کمشنر (Commissioner) صاحب مشرقی پاکستان نے وہاں بھی عید کا اعلان کر دیا، معلوم نہیں کیوں کیا گیا؟

بات یہ ہے کہ اختلافِ مطالع ایک حقیقت ہے۔ وحدتِ ملت کی دلیل صرف عید ہی کو تصور کرنا حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اگر ڈھاکہ (Dhaka) میں عید اتوار کو ہوجاتی تو اس سے ملت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ موسمیات کے محکمہ سے ہی دریافت فرمائیے، اگر ڈھاکہ (Dhaka) کا مطلع مغربی پاکستان سے مختلف ہے تو ان لوگوں کو عید پر کیوں مجبور کیا جائے؟ کمشنر (Commissioner) صاحب ہزاروں روزے تڑوانے یا رکھنے کا گناہ اپنے ذمے کیوں لیں؟ یہ نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً۔ محکمہ موسمیات اس کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ مسلمان بحمد اللہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان سب کا ایک دن عید منانا ممکن ہی نہیں ۔اور نہ یہ وحدت شرعاً مطلوب ہے۔ حجاز، مصر (Egypt) اور شام (Syria) میں عید جمعہ کو ہو تو وحدتِ ملت کو کچھ نقصان نہیں ۔ ڈھاکہ میں چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے اگر عید اتوار کو ہو تو اس میں وحدتِ ملت کو کون سا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ بلکہ وحدتِ ملت اس میں ہے کہ ملت کے احکام اور قواعد کی صحیح پابندی کی جائے۔ دانشمندی یہ ہے کہ جب اتنی دور کے منطقہ (Province) میں چاند نظر نہیں آیا تو معاملہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، طے شدہ مسائل کے خلاف پبلک (Public) سے کچھ کہنا حکومت کے وقار کا تقاضا ہرگز نہیں ۔ [1]

---

[1] فتاوی سلفیه ص ۵۸ .

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتمہ اور بعض سفارشات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

بفضلہٖ تعالیٰ رؤیتِ ہلال اور حدتِ رؤیت سے متعلق یہ بحث خاتمہ کو پہنچی۔ موضوع سے متعلق آیات و احادیث کے مطالعہ اور اقوال اہل علم کی روشنی میں یہ لمبا سفر طے کرنے کے بعد راقمِ سطور جس نتیجے پر پہنچا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱)...... مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے دینی ودنیوی معاملات میں شرعی مہینوں کا التزام کریں، کیونکہ یہی مہینے خالق کائنات کے مقرر کردہ ہیں اور اِسی کو اللہ تعالیٰ نے دینِ قیم قرار دیا ہے۔

(۲)...... شرعی مہینوں کی معرفت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے صرف رؤیتِ ہلال کو بنایا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول وعمل کے ذریعے بھی اس کی اہمیت کو بیان فرمادیا ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ عمومی طور پر پورے سال اور خصوصی طور پر شعبان ورمضان اور ذی الحجہ وغیرہ مہینوں کے لیے رؤیتِ ہلال کا اہتمام کریں، حتیٰ کہ جمہور فقہاء نے اسے فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔

(۳)...... شرعی مہینوں کی ابتدا وانتہا کی تعیین کے سلسلے میں علمِ فلک اور حسابِ نجوم پر اعتماد جائز نہ ہوگا، البتہ جدید ٹیکنالوجی اور علمِ فلکیات کے ماہرین سے اس سلسلے میں مدد لی جاسکتی ہے، لیکن اس کو بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔

(۴)...... یہ ایسا مسئلہ ہے کہ علمائے اُمت کا اس پر اجماع چلا آرہا ہے، جس کی مخالفت جائز نہیں ہے، کیونکہ اجماعِ امت کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف فرمانِ الٰہی:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

الْمُؤمِنِیْنَ....﴾(سورۃالنساء: ۱۱۵) حجت ہے۔

(۵)......جن بعض فقہاء سے اس بارے میں خلاف مروی ہے۔

الف:......اولاً: تو ان میں سے اکثر کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔

ب:......ثانیاً: انہوں نے ایک محدود دائرے میں علمِ فلک پر اعتماد کو جائز قرار دیا ہے۔

ج:......ثالثاً: ان کا یہ عمل حدیث رسول ﷺ: [صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدِرُوْا الْعِدَّۃَ] کے صریح خلاف ہے۔

د:......رابعاً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام اور ان کے بعد کے آئمہ متّبعین کا اجماع ان کے خلاف حجت ہے۔

(۶)......علمِ فلک اور علمِ ہیئت کا معاملہ ابھی تک ظن کی حدود میں ہے اور متعدد اعتبار سے وہ شریعت سے ٹکراتا ہے، اس لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۷)......اختلافِ مطالع نہ صرف ایک عملی حقیقت ہے بلکہ علمائے شرعِ متین کا اجماع ہے کہ اختلاف مطالع ایک بدیہی امر ہے۔

(۸)...... البتہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اختلافِ مطالع ابتدائے صوم وفطر پر اثر انداز ہے یا ایک علمی حقیقت ہونے کے باوجود مسلمانوں کی عبادات پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اختلافِ مطالع کے باوجود عالمِ اسلامی کے لیے کسی ایک جگہ کی رؤیت کافی ہے یا یہ کہ ہر شہر اور ملک والے صرف اپنے علاقے کی رؤیت کے مکلّف ہوں گے۔

(۹)......اس کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں اور ہر ایک کی اپنی دلیل ہے، جو اصل مقالے میں درج ہے۔

(۱۰)......اس بارے میں دو رائیں زیادہ قابلِ احترام اور لائقِ اعتبار ہیں:

اول:...... دنیا میں کسی بھی جگہ اگر چاند کا ثبوت ہوتا ہے تو تمام مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

دوم:......اتفاق مطلع کی صورت میں وحدتِ رؤیت کا اعتبار ہوگا اور جن علاقوں کا مطلع مختلف ہے وہاں کی رؤیت بھی مختلف ہوگی۔

جبکہ دوسرے اقوال یا تو مذکورہ اقوال کے ضمن میں آتے ہیں یا پھر ان پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔

(۱۱)......خاص کر یہ قول کہ ''تمام عالمِ اسلامی کے لیے صرف مکّہ مکرمہ کی رؤیت کا اعتبار ہے'' دلیل سے بالکل عاری اور قول شاذ ومردود ہے۔علاّمہ احمد شاکر رحمہ اللہ سے قبل کوئی عالم اس کا قائل ہے اور نہ ہی ان کے بعد کسی قابلِ ذکر عالم نے ان کی تائید کی ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ علاّمہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا۔

(۱۲)......نصوصِ کتاب وسنت، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے علماء کے تعامل کی بنیاد پر کاتبِ مقالہ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا اثر رؤیتِ ہلال پر ضرور پڑتا ہے، اس لیے جن علاقوں کا مطلع مختلف ہوگا، وہاں وحدتِ رؤیت کا اعتبار نہ ہوگا، جمہور علماء ومحدّثین کی رائے یہی ہے۔

(۱۳)......البتہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ جمہور علماء ومحدثین وحدتِ رؤیت کے قائل ہیں تو یہ دعویٰ دلیل سے عاری اور حقیقت سے دور ہے۔ ہاں! اگر یہ کہا جائے کہ فقہائے مذاہبِ اربعہ کے جمہور وحدتِ رؤیت کے قائل ہیں، تو یہ بات کسی حدتک قابلِ قبول ہوسکتی ہے۔

(۱۴)......واضح رہے کہ جو علماء وحدتِ رؤیت کے قائل ہیں، ان کے پاس بھی اپنے دلائل ہیں اور اپنی جگہ ان دلائل کا ایک وزن بھی ہے اور ان شخصیات کا دل میں ایک مقام بھی، اس لیے دلائل کو سامنے رکھ کر ان سے اختلاف کے باوجود ان کا احترام اور ان کی آراء کا پاس ولحاظ ضروری ہے، بہت ممکن ہے کہ حق ان کے ساتھ ہو، لیکن کاتبِ مقالہ اپنی وسعت بھر تحقیق کے بعد جس نتیجے پر پہنچا ہے امانت داری سے اس کا اظہار کردیا ہے۔

''اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ، اِھْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ

فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ .“

(۱۵)...... اس کے باوجود کاتبِ مقالہ یہی بہتر سمجھتا ہے کہ کسی بھی جگہ کے عوام اور طلبۂ علم اپنے یہاں موجود علماء اور ان کی رائے سے اختلاف کرکے اپنا الگ تشخّص نہ بنائیں، بلکہ اگر کسی جگہ کے اہلِ علم وحدتِ رؤیت کے قائل ہیں، تو وہاں کے لوگوں پر ان کی اتباع لازمی ہے، یہ چیز وحدتِ اُمت کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔

جمعیت اہل حدیث، سیمینار میں شریک اہل علم اور اہل قلم حضرات سے:

چند سفارشات:

وحدتِ رؤیت کا اعتبار یا عدمِ اعتبار ایک خالص علمی مسئلہ ہے، قدیم وجدید، ہر زمانے کے اہلِ علم کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، ہندوپاک کے علمائے اہلحدیث کی اکثریت بلکہ بڑی اکثریت عدمِ اعتبار کی قائل رہی ہے، بلکہ مملکتِ سعودی عرب کے اکثر اہلِ علم بھی اسی کے قائل ہیں۔ اِس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلے کو عوام میں لانے سے قبل اہلِ علم کے درمیان بحث وتنقیح کے مراحل سے گزار لیا جائے، کیونکہ اگر اس مسئلے کو عوامی پر چوں، اُخبارات اور جلسوں میں اٹھایا گیا تو اس کے نتائج افتراق وانشقاق کی شکل میں ظاہر ہوں گے، جیسا کہ متعدد ملکوں میں اس کی مثال موجود ہے۔ چونکہ عوام اور نوجوان عمر و علم طلبہ جو عموماً جذباتی ہوتے ہیں اس لیے ان تک جب کوئی ایسا مسئلہ پہنچتا ہے تو وہ کسی کی عقیدت اور اپنی کم فہمی کی وجہ سے بسا اوقات ایک مسئلے کو لے اٹھتے ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی جماعت بلکہ خود جمعیت بھی افراق وانتشار کا شکار ہوجاتی ہے، ماضی قریب وبعید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، بنابریں میری رائے یہ ہے کہ جمعیتِ اہلحدیث نے جب اس مسئلے کو اٹھایا ہے تو چاہیے کہ اہلِ علم وفکر کی مدد سے اس مسئلے پر اچھی طرح غور کرکے کوئی ایسا قرار صادر کرے جس پر تمام لوگ عمل کے مکلّف ہوں، اس بارے میں ماہرینِ علمِ فلک سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ کیا ہی خوب ہو، اگر دوسری جماعتوں کے اہلِ علم وفقہ حضرات کو بھی اپنی

رائے پیش کرنے کی دعوت دی جائے، اور مسئلے پر اچھی طرح نظر ثانی وثالث ہو جانے کے بعد جب کوئی متفقہ قرار پاس ہوتو اسے ہندستان کے تمام علاقوں میں پہنچایا جائے، اس کے مطابق عمل کی دعوت دی جائے، اور وحدتِ امت کی اہمیت کولوگوں کے سامنے رکھا جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام مشکل نہیں ہے اور نہ ہی ہندوستان کی سرزمین اہلِ فکر ونظر سے خالی ہے۔ اطلاعاً نہیں بلکہ یاد دہانی کے طور پر عرض ہے کہ رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرّمہ کے تحت کام کرنے والی فقہ اکیڈمی "المجمع الفقھی الاسلامی" میں یہ موضوع کئی سالوں تک زیرِ بحث رہا ہے اور ہر مکتبِ فکر کے اہلِ علم اپنے اپنے مقالات اور مناقشوں کے ذریعے اس میں شریک رہے ہیں، وہ مقالے اور مناقشے بلفظہٖ کتابی شکل میں موجود ہیں، اس سے کافی استفادہ کیا جاسکتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اُمتِ مسلمہ کی وحدت کو باقی رکھنے کے لیے خاص کر عصرِ حاضر میں یہ کام بہت ضروری ہے اور جمعیتِ اہلحدیث کے امکان سے باہر نہیں ہے۔

البتہ جب تک یہ مسئلہ بحث ومناقشہ کی بھٹی میں چڑھنے کے بعد بالکل نکھر کر سامنے نہیں آجاتا، اُس وقت تک اُمت کو اسی طریقے پر رہنے دیا جائے، جس پر وہ آج چودہ صدیوں سے چلی آرہی ہے، اس درمیان ہر علاقے کے اہلِ علم، آئمۂ مساجد اور خطبائے منابر حضرات سے درخواست ہے کہ عوام کو انتشار وافتراق سے بچائیں اور ملت کی وحدت کو کسی بھی صورت پاش پاش نہ ہونے دیں۔

گرامی قدر حضرات! یہ بات صرف وحدتِ رؤیت کے مسئلے تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ دیگر مسائل جو امت مسلمہ میں عموماً اور جمعیت اہل حدیث میں خصوصاً اختلاف کا سبب بنتے ہیں، ان کے بارے میں بھی ایسا ہی سوچنا چاہیے۔ بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی مسئلے میں علماءِ اہل حدیث متفق ہوتے ہیں، لیکن ایک طالبِ علم جو ابھی تک علم وادراک اور عقل وتجربہ کے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے، کبھی کبھار وہ اپنی ناقص تحقیق جو علمائے اہلحدیث کے مسلک کے خلاف ہوتی ہے یا کسی دوسرے عالم[جس کی تحقیق سے وہ مرعوب ہوتا

ہے] کی تحقیق کو پڑھتا ہے تو اختلاف کی پرواہ کیئے بغیر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس تحقیق کو جلد ہی منظر عام پر لائے، خواہ تحریری شکل میں ہو یا تقریری کی شکل میں، کتابی شکل میں ہو یا پرچوں میں مقالے اور بحوث کی شکل میں۔ حالانکہ اس کے نتائج بہتر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ عوام اور کم علم جوانوں اور جذباتی دیندار لوگوں کی وجہ سے جمعیت اور اس کے افراد میں انتشار پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے جمعیتِ اہلحدیث دوسری جماعتوں کے سامنے ایک مضحکہ بن جاتی ہے، یہ ایسی چیز ہے جسے آپ حضرات مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ کسی بھی ایسے مسئلہ کو جس سے عوام میں انتشار کا خوف ہو، عوام میں پھیلانے سے پرہیز کیا جائے، درس وتدریس اور علمی مجلس میں ایسے مسائل کا ذکر مناسب ہوتا ہے، البتہ بغیر علمائے حق کی تصدیق کے عوام میں ایسے مسائل کا ذکر قطعاً مناسب نہیں ہے، درجِ ذیل واقعہ کا ذکر شاید یہاں غیر مناسب نہ ہوگا۔

مشہور تابعی عبیدہ السلمانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ ام ولد کا بیچنا جائز ہے [حالانکہ اس سے قبل وہ اس بات کے قائل تھے کہ ام ولد کا بیچنا جائز نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا] ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ کا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کسی مسئلے پر متفق رہنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ آپ دونوں کے اختلاف سے لوگوں میں افتراق واختلاف کا خطرہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس وقت جو جواب دیا تھا وہ اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اُقْضُوْا كَمَا كُنْتُمْ تَقْضُوْنَ فَإِنِّي أَكْرَهُ الْإِخْتِلَافَ حَتّٰى يَكُوْنَ لِلنَّاسِ جَمَاعَةٌ أَوْ أَمُوْتَ [عَلِيٌ] مَامَاتَ أَصْحَابِي [ابوبكر وعمر].)) [1]

''جس طرح تم پہلے فیصلہ کیا کرتے تھے، اب بھی ویسے ہی کیا کرو۔ کیونکہ میں اختلاف کو برا جانتا ہوں۔ اُس وقت تک کہ سب لوگ جمع ہو جائیں یا میں

[1] صحيح البخاری: ۳۷۰۷ المناقب.

(علی) بھی اپنے ساتھیوں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی طرح دنیا سے چلا جاؤں۔‘‘

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحدتِ امت کی کس قدر اہمیت ہے کہ بسا اوقات اپنے نزدیک راجح اور از روے دلیل قوی مسئلہ کے بارے میں بھی سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے، اس لیے تمام اہلِ علم و اہلِ قلم حضرات سے میری مؤدبانہ گذارش ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کے خلاف کسی جگہ کے علماء کا اتفاق ہوا سے اٹھانے اور مسئلۂ عوام بنانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

میرا یہ مقصد قطعاً نہیں ہے کہ اہلِ زبان وقلم حضرات اپنی زبان وقلم کو اظہارِ حق سے روکے رکھیں، بلکہ اس سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ [لِكُلِّ مَقَامٍ مَقَالٌ] کی حکمت پر عمل کیا جائے اور کسی مسئلے کی تحقیق کے لیے اہلِ علم سے خصوصی رابطے کیۓ جائیں، کسی علمی کتاب اور خاص علمی پرچے میں بحث ومناقشہ کے لیے پیش کیا جائے، مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر بوقتِ ضرورت علماء حق کی میٹنگ بھی بلائی جاسکتی ہے، اور یہ چیز جمعیت کی بساط سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی دینی مدارس وعلمی درس گاہوں کے دائرۂ عمل سے خارج ہے۔

یہ چند گذارشات تھیں جنھیں اہلِ علم اور ذمہ دارانِ جمعیت کے سامنے رکھنا ضروری سمجھا گیا، اگر حق ہوں تو قبول کر لی جائیں اور اگر حق کے خلاف ہیں تو میں بھی ایک بشر ہوں، جس کی فطرت میں خطا ونسیان ودیعت کی گئی ہے جس کے لیے بصد عاجزی بارگاہِ مستجاب الدعوات میں گذارش ہے کہ:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَاْنَا

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰالَمِيْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متعلقہ بعض اہم فتاویٰ

(۱)......مملکت سعودی عرب کی هيئة كبار العلماء کی قرارداد:

''......ونظر الاعتبارات رأتها الهيئة وقدرتها،ونظرا الى أن الاختلاف فى هذه المسألة ليست له آثار تخشى عواقبها،فقد مضى على ظهور هذاالدين أربعة عشر قرنا،لانعلم فيها فترة جرى فيها توحيد الأمة الاسلامية على روية واحدة فان أعضاء مجلس هيئة كبار العلماء يرون بقاء الأمر علىٰ ما كان عليه،وعدم اثارة هذا الموضوع، وأن يكون لكل دولة اسلامية حق اختيار ماتراه بواسطة علمائها من الرأيين المشار اليهما فى المسألة،اذلكل منهما أدلته ومستنداته''(فتاویٰ الجنة الدائمة رقم الفتویٰ٣٦٨٦)

ھیئۃ کبار علماء کئی چیزوں کا خیال کرتے ہوئے اور کئی پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اس مسئلہ میں اختلاف سے کوئی ایسے برے اثرات مرتب نہیں ہوں گے جن کے انجام کا ڈر ہو۔اور اس بات کے مدنظر بھی کہ اس دین کو آئے ہوئے چودہ صدیاں گذر چکی ہیں،اس دوران ہمارے علم کے مطابق کبھی پوری امتِ اسلامیہ ایک رؤیت پر متفق ہوکر عمل نہیں کرسکی ہے۔اس مجلس کے ارکان یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ مسئلہ جوں کا توں رہنے دیا جائے۔اور اس موضوع کو بار بار بھڑکایا نہ جائے۔اور یہ بھی رائے دیتے ہیں کہ ہر مسلم حکومت کو اختیار ہے کہ وہ مسئلہ میں مذکور دونوں آراء میں سے اپنے علماء کے ذریعے جس رائے کو مناسب سمجھے اپنالے۔کیونکہ ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ومستندات موجود ہیں۔

(۲)...... عالمی فقہ اکیڈمی کی قرارداد (فتویٰ):

المجمع الفقهي الاسلامي (عالمِ اسلام کے علماء کی سب سے بڑی فقہ اکیڈمی) نے مسئلہ کا ہر طرح سے جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

عالمِ اسلام میں عید اور چاند کے مسئلہ میں یکسانیت پیدا کرنے (توحیدِ رؤیت) کی دعوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں یکسانیت کے پیدا ہوجانے سے اُمت میں اتحاد نہیں ہوجائے گا جیسا کہ اس مسئلہ کی طرف دعوت دینے والوں کو وہم ہوا ہے۔

اور یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ چاند کے سلسلہ میں فیصلہ کا اختیار مسلم ممالک میں موجود دارالِافتاء یا دارالقضاء کے حوالے کردیا جائے کیونکہ یہی طریقہ مصلحتِ شرعیہ کے مطابق اور مناسب بھی ہے۔اُمت میں اتحاد کی ضمانت تو اس بات میں ہے کہ اُمت اپنے تمام معاملات میں اللہ کی کتاب اور سنّتِ رسول ﷺ کے مطابق عمل کرنے پر متفق ہوجائے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

وصلى اللّٰه على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

عالمی فقہ اکیڈمی کے شرکاءِ علماءِ کرام:

① عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔ ② محمد علی الحرکان۔
③ عبداللہ بن محمد بن حمید۔ ④ محمد محمود الصواف۔
⑤ صالح بن عثیمین۔ ⑥ محمد بن عبداللہ بن سبیل۔
⑦ مبروک العوادي۔ ⑧ محمد الشاذلي۔
⑨ عبدالقدوس الهاشمي۔ ⑩ محمد رشید قبانی۔
⑪ أبوالحسن علی الحسنی الندوی۔ ⑫ أبوبکر محمود جومی۔
⑬ حسنین محمد مخلوف۔ ⑭ ڈاکٹر محمد رشید۔

(۳)......شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ دلائل کی روشنی میں توحیدِ رؤیت کے قائل ہیں اور ان کے ساتھ سعودی عرب کی دائمی کمیٹی برائے فتویٰ و بحوثت علمیہ نے یہ فتویٰ جاری کیا ہے:

"یجب علیهم ان یصوموا مع الناس ویفطروا مع الناس ویصلوا العیدین مع المسلمین في بلادهم"(فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء: ۱۰/۹۴)

"یعنی ان لوگوں پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھیں اور لوگوں کے ساتھ روزہ چھوڑیں اور اپنے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ ہی عیدین کی نماز پڑھیں۔"

(۴)......فتویٰ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ و شیخ محمد بن صالح المنجد حفظہ اللہ:

سوال......جب رمضان کی ابتدا اور یوم عرفہ کی تحدید مختلف ممالک میں ایک نہ ہو تو مجھے کس کے ساتھ روزہ رکھنا ہوگا؟

بعض اسباب کی بنا پر ہم نے پاکستان میں رہائش اختیار کر لی ہے، اور اس کی بنا پر بہت سے معاملات مختلف ہو چکے ہیں مثلاً: نماز یا اوقات وغیرہ بھی بدل چکے ہیں وغیرہ...... میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ یومِ عرفہ کا روزہ رکھنے کی رغبت ہے، لیکن پاکستان میں ہجری تاریخ سعودی عرب سے مختلف ہے، وہ اس طرح کہ پاکستان میں آٹھ تاریخ ہو تو سعودی عرب میں نو تاریخ ہوگی ......تو کیا میں پاکستان کی آٹھ تاریخ یعنی سعودی عرب کی نو تاریخ کے مطابق روزہ رکھوں یا کہ مجھے پاکستان کی تاریخ کے مطابق روزہ رکھنا ہوگا؟

جواب......الحمد للہ:

شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل سوال کیا گیا:

چاند کا مطلع مختلف ہونے کی صورت میں جب یوم عرفہ مختلف ہو جائے تو کیا ہم اپنے علاقے کی رؤیت کے مطابق روزہ رکھیں یا کہ حرمین کی رؤیت کا اعتبار کیا جائیگا؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب تھا:

یہ اہلِ علم کے اختلاف پر مبنی ہے کہ: آیا ساری دنیا میں چاند ایک ہی ہے یا مطلع مختلف ہونے کی بنا پر چاند بھی مختلف ہے؟

صحیح یہی ہے کہ: مطلع مختلف ہونیکی بنا پر چاند بھی مختلف ہیں، مثلاً جب مکہ مکرمہ میں چاند دیکھا گیا تو اس کے مطابق یہاں نو تاریخ ہوگی، اور کسی دوسرے ملک میں مکہ سے ایک دن قبل چاند نظر آیا تو ان کے ہاں دسواں دن یوم عرفہ ہوگا، لہٰذا ان کے لیے اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ عید کا دن ہے، اور اسی طرح فرض کریں کہ رؤیت مکہ سے لیٹ ہو اور مکہ مکرمہ میں نو تاریخ ہو تو ان کے ہاں چاند کی آٹھ تاریخ ہوگی تو وہ اپنے ہاں نو تاریخ کے مطابق روزہ رکھیں گے جو کہ مکہ کے حساب سے دس تاریخ بنے گی، راجح قول یہی ہے۔

اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جب چاند دیکھوتو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھوتو عید کرو۔''

اور وہ لوگ جن کے یہاں چاند نظر نہیں آیا انہوں نے چاند نہیں دیکھا، اور جیسا کہ سب لوگ بالاجماع طلوعِ فجر اور غروبِ شمس میں ہر علاقے کے لوگ اسی علاقے کا اعتبار کرتے ہیں، تو اسی طرح مہینہ کی توقیت بھی یومی توقیت کے طرح ہی ہوگی۔ (دیکھیں: مجموع الفتاوی[۲۰])

شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایک ملک میں حرمین (سعودی عرب) کے سفارت خانے کے ملازمین نے مندرجہ ذیل سوال کیا:

یہاں ہمیں خاص کر رمضان المبارک اور یوم عرفہ کا روزہ رکھنے میں ایک مشکل درپیش

ہے، یہاں بھائی تین اقسام میں بٹ چکے ہیں:

ایک قسم تو یہ کہتی ہے کہ: ہم سعودی عرب کے ساتھ ہی روزہ رکھیں گے اور اس کے ساتھ ہی عید منائیں گے۔

اور ایک قسم تو یہ کہتی ہے کہ: ہم جس ملک میں ہیں اسی ملک کے ساتھ روزہ رکھیں گے اور عید بھی انہیں کے ساتھ منائیں گے۔

اور ایک قسم تو یہ کہتی ہے کہ: ہم رمضان المبارک کے روزے تو اسی ملک کے مطابق رکھیں گے جس میں رہتے ہیں، لیکن یوم عرفہ سعودی عرب کے ساتھ۔

اس بنا پر میری آپ سے گزارش ہے کہ رمضان المبارک اور یومِ عرفہ کے روزہ میں تفصیلی اور شافی جواب سے نوازیں، اس اشارہ کہ ساتھ کہ مملکت ......اور پچھلے پانچ برس سے ایسا نہیں ہوا کہ مملکت نہ تو رمضان اور نہ ہی یوم عرفہ میں موافق آیا ہے، اس طرح کہ سعودی عرب کے اعلان کے ایک یا دو روز بعد رمضان شروع ہوتا ہے اور بعض اوقات تین روز کے بعد۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب تھا:

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مسلمانوں کے ملک میں ایک جگہ چاند نظر آجائے تو یا سب مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا یا صرف وہی عمل کرینگے جنہوں نے دیکھا ہے اور جن کا مطلع ایک ہے یا پھر جنہوں نے دیکھا ہے ان پر عمل کرنا لازم ہوگا اور ان پر بھی جو ان کے ساتھ انکی ولایت میں بستے ہیں، اس میں کئی ایک اقوال ہیں، اور اس میں ایک اور اختلاف ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ یہ اہلِ معرفت کی طرف لوٹتا ہے، اگر تو دو ملکوں کے مطلع جات ایک ہی ہوں تو وہ ایک ملک کی طرح ہونگے، لہٰذا جب ایک ملک میں چاند دیکھا گیا تو دوسرے کا بھی حکم ثابت ہوجائیگا، لیکن اگر مطلع مختلف ہے تو ہر ایک ملک کا حکم اس کے اپنے مطلع کے مطابق ہوگا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی اختیار کیا ہے اور کتاب وسنت سے بھی یہی

ظاہر ہوتا ہے اور قیاس بھی اسی کا متقاضی ہے۔

کتاب وسنت سے دلائل:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

''تم میں جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیئے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔''

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو اس مہینہ کو نہ پائے اس پر روزہ رکھنا لازم نہیں ۔

اور سنت کی دلیل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''جب تم اسے (چاند کو) دیکھو تو روزہ رکھو، اور جب تم اسے (چاند کو) دیکھو تو روزہ رکھنا چھوڑ دو۔''

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب ہم چاند نہ دیکھیں تو روزے رکھنا لازم نہیں ہونگے اور نہ ہی عید کرنا۔

اور رہا قیاس تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ: ہر ملک میں روزہ کھولنا اور سحری کھانا بند کرنا علیحدہ اور اس کے مطلع اور غروبِ شمس کے اعتبار سے علیحدہ ہوتا ہے، اور یہ محل اجماع ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ ایشیا میں اہل مشرق اہلِ مغرب سے پہلے سحری بند کردیں گے اور اہلِ مغرب سے قبل ہی روزہ افطار بھی کریں گے، کیونکہ ان کے یہاں فجر پہلے طلوع ہوتی ہے، اور اسی طرح ان کے یہاں سورج بھی پہلے غروب ہوتا ہے، لہٰذا جب روزانہ سحری کا کھانا بند کرنے اور افطاری کرنے میں یہ ثابت ہو چکا تو اسی طرح ماہانہ روزہ رکھنے اور روزہ چھوڑنے میں بھی ایسا ہی ہوگا، اس میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن جب مختلف ریاستیں ایک ہی ملک کے ماتحت ہوں اور اس ملک کے حکمران نے روزہ رکھنے کا حکم دے دیا یا روزہ فطار کرنے کا حکم دیا تو اس حکم کا ماننا واجب ہوگا، کیونکہ یہ

مسئلہ اختلافی ہے اور حاکم کا حکم اختلاف ختم کر دیتا ہے۔

اس بنا پر آپ لوگ اسی طرح روزہ رکھیں اور عید منائیں جس طرح اس ملک کے لوگ مناتے ہیں جہاں آپ رہائش پذیر ہیں، چاہے وہ آپ کے اصل ملک کے موافق آئے یا اس کے مخالف ہو، اور اسی طرح یوم عرفہ میں بھی آپ اسی ملک کے مطابق عمل کریں جس میں رہائش پذیر ہیں۔(دیکھیں: مجموع الفتاوی [۱۹])

واللہ اعلم۔

شیخ محمد بن صالح المنجد (الخبر ،سعودی عرب)

الاسلام سوال وجواب

جدید اور زیرِ طبع کتابوں کی فہرست

کتاب نمبر	ٹائٹل	مؤلف
U47	رؤیتِ ہلال	شیخ ابوکلیم مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ
U48	تربیّتِ اولاد	شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ
U49	اتباعِ سنّت اور صحابہ وآئمہ کے اصولِ فقہ	ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ
U50	سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (عبرت ونصیحت کا لازوال خزانہ)	ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمۃ اللہ علیہ
U51	ہماری امی جان اُم المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	زبوزرارہ شاہزاد بن الیاس
U52	اسلام ہی انسانیت کا حل	ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ
U53	الجامع الفرید	شیخ الاسلام محمد بن سلیمان التمیمی رحمۃ اللہ علیہ